میری ناکامیاں اور ہومیوپیتھی کی کامیابیاں

(ہومیو پیتھی کی فنی باریکیوں پر ایک مستند کتاب)

اِقراء

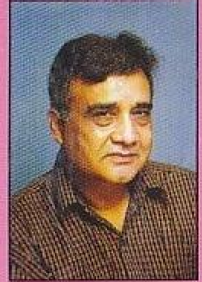
ڈاکٹر مرزا انور بیگ

میری ناکامیاں اور ہومیوپیتھی کی کامیابیاں

ڈاکٹر مرزا انور بیگ

MERI NAAKAMIYAN AUR HOMOEOPATHY KI KAMIABIYAN

(DR. MIRZA ANWER BAIG)



کچھ ڈاکٹر بیگ کے بارے میں

جب بھی سائنسی علوم خاص طور سے علم طب کو انگریزی سے اردو کے قالب میں ڈھالنے کی بات آئے گی ڈاکٹر مرزا انور بیگ کا تذکرہ ضرور ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریر ان کے ذاتی تجربات پر مشتمل ہوتی ہے۔ قاری کو بونس یوں بھی ملتا ہے کہ ڈاکٹر مرزا انور بیگ مواد کو دلچسپ بنادیتے ہیں۔ پڑھنے والا بور نہیں ہوتا۔ یہ بہت بڑی بات ہے کہ سائنس اور طب کو اس قدر دلچسپ پیرائے میں پیش کیا جائے۔

مشہور سائنسداں اسحاق نیوٹن نے کہا تھا کہ وہ اپنی ناکامیوں کے بے حد شکر گذار ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو انہیں اپنی غلطیوں کا احساس نہ ہوتا، نہ سیکھنے کو موقع ملتا۔ ڈاکٹر مرزا انور بیگ کی کتاب "میری ناکامیاں اور ہومیوپیتھی کی کامیابیاں" کو اسی زمرے میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس سے قبل بھی کئی کامیاب اننگز کھیلی ہیں۔ ان کی کئی کتابیں پڑھنے والوں میں بے حد مقبول ہوئی ہیں۔ اب انہوں نے اپنے اسکور میں مزید اضافہ کیا ہے۔ اسے شاندار پیش رفت بھی کہا جاسکتا ہے۔

طب کی دنیا میں آج کل جو کچھ ہو رہا ہے اس کا اندازہ اس کتاب سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر کا مرض نہ پہچاننا، غیر ضروری دوائیں دینا، مہنگا علاج کرنا، چھوٹے مرض کو بڑا اور خطرناک روگ قرار دے کر مریض کو بیوقوف بنانا، ڈاکٹر مرزا انور بیگ نے ان تمام پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔ انگریزی زبان میں اس طرح کی کتابیں ضرور لکھیں جارہی ہیں، لیکن اردو میں اس نوع کی کتابوں کا فقدان رہا ہے۔ ڈاکٹر مرزا انور بیگ اس تپتے ہوئے ریگستان پر بادل بن کر برس رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو اس کا پورا کریڈٹ جاتا ہے کہ وہ اردو کے پڑھنے والوں کو سائنس اور طب کے خشک مضامین سے روشناس کراتے ہیں۔ ہم اردو والوں کو چاہیے کہ ڈاکٹر مرزا انور بیگ کی اس نئی پیش کش کو ہاتھوں ہاتھ لیں اور دھوم سے اس کا سواگت کریں۔

ہارون رشید علیگ

MAFKHAR PUBLICATIONS (MAFKHAR CLINIC)
13, Imamwada Road, (Near Moghal Masjid), Bhendi Bazar, Mumbai - 400 009.
Tel : 377 4002, 811 6765, Fax : 375 4069

نام کتاب : میری ناکامیاں اور ہومیوپیتھی کی کامیابیاں

مصنف : ڈاکٹر مرزا انور بیگ

ایم.بی.بی.ایس.، ایم.ڈی (اے - ایم) ، پی.ایچ.ڈی -، ڈی.ایچ.ایم.ایس؛ ممبر لیگا میڈیکورم ہومیوپتھیکا انٹرنیشنل (جنیوا، سوئٹزرلینڈ) ، ممبر ہومیوپیتھک میڈیکل مشن (ترویندرم) ، ممبر رائل سوسائٹی آف ہیلتھ (لندن)

اشاعت اوّل : جنوری ۲۰۰۰ء

قیمت : ۱۰۰ روپے

سرورق : شہاب

ناشر : مفخر پبلیکیشنز

۱۳، امام باڑہ روڈ، نزد مغل مسجد، بھنڈی بازار، ممبئی - ۴۰۰۰۰۹

فون : 3774002 , 8116765 فیکس : 3754069

اطہر عزیز

پروپرائٹر

ایڈ شاپبلی کیشنز ممبئی

سانے بلڈنگ، سکنڈ فلور، نانا بھائی لین، فلورا فاؤنٹین، ممبئی - 400001 نے

نیو ایج پرنٹنگ پریس پربھادیوی، ممبئی میں طبع کرا کے شائع کیا

مقدمہ

ڈاکٹر مرزا انور بیگ کی نئی کتاب "میری ناکامیاں اور ہومیوپیتھی کی کامیابیاں" سیکھنے سکھانے کی سمت میں ایک قابلِ تقلید کوشش ہے۔ ہر معالج کامیابیوں کے ساتھ ناکامیوں سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ لیکن ہر معالج نہ تو اپنی ناکامیوں کا دردمندی کے ساتھ تجزیہ کرتا رہتا ہے، نہ ان سے کچھ سیکھ پاتا ہے۔ یہ تو اور بھی جرأت کی بات ہے کہ اپنی ناکامیوں کا بہ بانگ دُہل اعتراف بھی کیا جائے۔

"اپنی" ناکامیوں کے تذکرے اور تجزیئے کے بعد انہوں نے کامیابیوں کا ذکر بھی کیا ہے، لیکن ان کا سہرا ہومیوپیتھی کے سر باندھا ہے۔ اُدھر انکسار ہے، اِدھر اعتبار۔

ڈاکٹر بیگ کے ڈرامائی اندازِ بیان نے پہلے ہی اُردو قارئین کا دل جیت لیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کتاب کی پذیرائی ان کی توقع سے زیادہ ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ اُن کے قارئین کو پھر بھی ان دو کتابوں کا بے چینی سے انتظار رہے گا جو اصولِ فن اور ادویات سے متعلق ہوں۔

- ڈاکٹر فقیر محمد گلے

پیش لفظ

تقریباً دس بارہ برس قبل ’اردو ٹائمز‘ اور ’انقلاب‘ میں شائع ہوئے سلسلے وار کالموں میں جو سب سے زیادہ مقبول عام ہوئے ان میں ’میری ناکامیاں‘ کا سلسلہ دلچسپ تھا اور جس کے کچھ حصوں کو یکجا کر کے پانچ برس قبل ایک کتابی شکل دی گئی تھی لیکن چند وجوہات کی بنا پر اس کتاب کی اشاعت نہ ہو سکی۔ اللہ کو شاید یہی منظور تھا۔ اور اب جبکہ دنیائے ہومیوپیتھی میں میری کامیابی کے چرچے کم و بیش دنیا بھر میں ہیں میں اپنی ناکامیاں پیش کر رہا ہوں۔

اس کتاب کے تعلق سے زیادہ کچھ کہنا نہیں ہے۔ یہ کتاب ایک عام قاری کے لئے دلچسپی کا سبب تو ہے ہی مگر ہر اس معالج کے لئے بھی مشعل راہ ہے، بالخصوص وہ کہ جو اپنے مریضوں کے لئے فکر مند رہتا ہے اور علاج معالجے میں بخیلی نہیں کرتا اور نہ ہی متعصب ہوتا ہے۔ تمام پیتھیوں کا مقصد بیمار کو شفا سے ہمکنار کرانا ہے۔ شفا یقیناً خدا کی دین ہے مگر طبیب ذریعہ۔

ہومیوپیتھی نیچر یعنی فطرت کے اصولوں پر مبنی آسان اور شفا بخش علاج ہے مگر اب بے اثر مانا جاتا ہے۔ اس کی وجہ شاید ہماری سرکار بہادر کی کرم فرمائیاں ہیں جس نے ہومیوپیتھی طب کو ایلوپیتھی کے سانچے میں ڈھال کر پیش کرنا چاہا ہے۔ اب ہومیوپیتھی میں بھی ایلوپیتھی کی طرح سکہ بند پیٹنٹ نسخے ہیں اور اس کے مریض اس بھرم میں مبتلا ہوتے ہیں کہ وہ ہومیوپیتھک علاج کروا رہے ہیں۔ جو معالج ایلوپیتھک دواؤں کی طرح ان کا استعمال کرتے ہیں وہ اپنا اور ہومیوپیتھی دونوں کا نقصان کرتے ہیں۔ کیونکہ ایلوپیتھی کی طرح Symptomatic Treatment یعنی ’ہر تکلیف کے لئے دوا‘ گویا آرام پا کر مصیبت گلے لگانا جیسا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیسویں صدی میں مروج ہمارے روائتی علاجوں نے جو مصیبتیں دی ہیں وہ ایڈز اور کینسر کی طرح ہیں اور جن کی فہرست بہت لمبی ہے۔ طبی اصطلاح میں ان امراض کو Iatrogenic Disease یعنی ”جدید علاج معالج کی دین“ کہتے ہیں۔ اس طرح کی ہومیوپیتھی عطائی کہلاتی ہے مگر افسوس کہ یہی مقبول بھی ہے۔

قوانینِ قدرت کے مطابق دی گئی ہومیوپیتھک دوا کی مثال اُس لات کی طرح ہے کہ جس سے اسکوٹر یا موٹر سائیکل کا انجن اسٹارٹ کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ دوا کی یہ لات قوتِ حیات کے اس مرکز پر پڑتی ہے کہ جو زندگی کا سرچشمہ ہے اور جس کے بعد زندگی کی لڑکھڑاتی ہوئی گاڑی دوبارہ چل پڑتی ہے اور پھر مریض کو مکمل طور پر شفایاب کرنے کا باقی ماندہ کام یہ طاقت خود اپنے طور پر کر لیتی ہے۔ اس طرح ہومیوپیتھی کی شفا بخش دوا کی خوراک بس ایک ہی ہوتی ہے اور یہی فن ہے۔

ہومیوپیتھی غریب پرور سستا علاج ہے مگر اس کے معالجوں کی اکثریت عطیاؤں کی ہے جو اس کی فنی گہرائیوں سے نابلد ہوتے ہیں چاہے وہ سند یافتہ ہی کیوں نہ ہوں۔ اہل فن کے نزدیک ان کی حیثیت برساتی ندی جیسی ہے۔ وہ تو اچھا ہوا کہ ہماری سرکار عالیہ نے ایسے معالجوں کو ایلوپیتھک نسخے استعمال کرنے کی چھوٹ دے دی ہے ورنہ ہومیوپیتھک دواؤں کے اندھا دھند استعمال سے مریضوں پر تو خیر کم ظلم ہوتا البتہ ہومیوپیتھی پر زیادہ۔ میں نے یہ پوری کوشش کی ہے کہ اس کے مشکل اور فنی پہلوؤں کو آسان بنا کر پیش کروں۔ اب اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوں نہیں جانتا۔ مجھے لوگوں کی آرا کا انتظار رہے گا۔

ہومیوپیتھی سب کے لئے ہے چاہے وہ مریض ہو یا معالج !

مرزا انور بیگ

مورخہ ۵ر دسمبر ۱۹۹۹ء

میری ناکامیاں

بمبئی کے ایک نوجوان پوچھتے ہیں، ڈاکٹر صاحب کیا آپ کے ہاتھوں کوئی کیس فیل نہیں ہوا؟ اگر ہوا تو ان کا تذکرہ کرنا کیا کوئی گناہ ہے آپ کے کالموں یا آپ کی تحریر کردہ کتابوں میں کبھی ایسا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اس نوجوان نے ہم سے یہ سوال پوچھ کر ہم پر واقعی احسان کیا ہے۔ ہم اپنی ناکامیوں کا تذکرہ ضرور کریں گے۔ ناکامیاں مشعلِ راہ ہوتی ہیں۔ ناکامیوں سے آدمی سیکھتا ہے اور آنے والی نسلوں کی رہنمائی کرتا ہے۔

ناکامیوں سے ہماری مراد ان کیسوں سے نہیں جو برسہا برس سے کسی پرانی بیماری میں مبتلا تھے مگر فوراً آرام چاہتے تھے بلکہ ان کیسوں سے ہے جن میں واضح علامتیں تھیں۔ لیکن یا تو اس وقت سمجھ میں نہ آئیں، یا کوئی دوسرا سبب آڑے آگیا یا پھر مجھ سے ہی کوتاہی ہوئی۔

پہلا کیس ایک فلم پروڈیوسر کا تھا۔ بہت بڑے فلم پروڈیوسر اور ڈائرکٹر بھی۔ ان کے نام کی طرح ان کا قد بھی اونچا تھا۔ دُبلے پتلے اور سانولی رنگت کے۔ اپنے بہت بڑے اسٹوڈیو کے کاٹج میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو بیماری بھی بڑی تھی یعنی ذیابیطس، جس کی وجہ سے ان کو کمزوری تھی۔ سانس پھولتی تھی۔ دمہ کا عارضہ ہوتا تھا۔ کھانسی ہوتی تھی وغیرہ وغیرہ۔

وہ ٹھہر ٹھہر کر بڑے نپے تلے انداز میں گفتگو کرتے تھے۔ ایک گھنٹہ سے زائد ان کے ساتھ بات چیت ہوئی۔ لیکن اس دوران انھوں نے اپنی شکایتوں کا ہی تذکرہ کیا یا ان نسخوں کا جس کا وقتاً فوقتاً وہ استعمال کیا کرتے تھے۔

ان کو دیسی علاج پر زیادہ بھروسہ تھا مگر علاج ڈاکٹری کرواتے۔ شروع میں ان کی شکایتوں کے مطابق دوا دی جس سے ان کو آرام ضرور تھا لیکن مکمل نہیں۔ وہ پوری طرح صحت یاب نہیں ہوئے تھے۔ ایک بار ان کو پھر دمہ کا شدید عارضہ ہوا۔

اس بار وہ گھر پر تھے اور پہلے سے زیادہ کمزور نظر آرہے تھے۔ شائد اس کی وجہ یہ تھی کہ دمہ کے شدید دورے کے دوران ایلوپیتھک دواؤں کا استعمال کیا گیا تھا۔ اس بار انھوں نے اپنی شکایتوں کے علاوہ اپنے مزاج کے متعلق بھی بتانے کی ضرورت سمجھی۔ وہ ایک زمیندار گھرانے سے تھے۔ اپنے لڑکپن کا ایک واقعہ سناتے ہوئے بولے۔ ان دنوں کی بات ہے کہ جب کسان مزدور اناج سے بھری گاڑیاں لاکر ان کی ڈیوڑھی پر خالی کرتے تھے۔ ہر کسان اپنی گاڑی کے نیچے ایک چادر باندھ کر رکھتا تھا تاکہ راستے میں اناج کی بوریوں سے جو غلہ گرے وہ اس چادر میں جمع ہوتا رہے۔ گاڑی خالی کرنے کے بعد کسان مزدور اس چادر کا غلہ اپنے پاس رکھ لیا کرتے تھے لیکن جب یہ وہاں موجود رہتے تو ان کو از راہِ تکلف اپنی چادر جھاڑنا پڑتی تھی۔

یہ منظر ان کے چچا بھی دیکھا کرتے تھے۔ ایک روز بلا کر ان کو یہ سمجھا دیا کہ کسان جب اپنی چادر کھولتا ہو تو منہ دوسری طرف کر لینا چاہئیے تاکہ چادر کو غلہ کے ساتھ رکھنے میں اس کو شرمندگی نہ ہو۔ کیونکہ چادر کا غلہ اس کی قسمت کا ہوتا ہے۔

اس طرح انھوں نے یہ بات سیکھ لی اور پھر یہ ان کے مزاج کا ایک حصہ بن گئی۔ اب جب کسان ڈیوڑھی پر اناج لاتے اور اپنی چادر کھولتے تو وہ اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیتے تاکہ انھیں شرمندگی نہ ہو۔ جب وہ یونیورسٹی میں پڑھنے گئے تو ایک روز ان کے کمرے سے ان کی کچھ کتابیں غائب ہو گئیں۔ کتابوں کے کھونے کا ان کو خاص غم نہ تھا۔ ہوسٹل میں اس طرح کی چوریاں آئے دن ہوتی رہتی تھیں۔

ایک دن وہ اپنے دوست کے کمرے میں گئے وہ کتابیں اس کی چارپائی کے نیچے رکھی تھیں
دوست کے آنے سے پہلے انھوں نے پلنگ کی چادر کو ذرا نیچے کھینچ دیا تاکہ کتابیں
ڈھک جائیں اور یوں ان کے دوست کو شرمندگی نہ اُٹھانی پڑے ان دونوں باتوں
سے میں نے ان کے مزاج کا اندازہ لگایا لیکن ان کی تشریح نہ کر سکا تھا۔ اس کا مفہوم تو
بہت بعد میں سمجھ میں آیا۔ میں ان کی کھانسی اور دمکشی کی علامتوں کی طرف ابھارہا اور
اور اسی کے مطابق نسخے تجویز کرتا رہا۔ ان کے کارندے آتے رہے کبھی ایک تکلیف کو آرام
آتا تو دوسری ہوتی اسی طرح کچھ روز گذر گئے آج وہ کس حال میں ہیں اس کا علم نہیں۔

میں یقیناً اس کیس میں ناکام ہوا تھا۔ میں ان کی ہستی کو سمجھ نہ سکا تھا۔ ان کو پہچان نہ
سکا تھا۔ ہومیوپیتھی یہی تو ہے کہ آپ نے اس مریض کو کیا سمجھا۔ مریض کی تشخیص ہی تو اصل
بات ہوتی ہے اور یہی کلاسیکی ہومیوپیتھی ہے۔ بیماری کا وجود تو کائناتی سطح پر ہوتا ہے
جب ہستی بیمار ہو تو بیماری اس وقت اثر انداز ہو سکتی ہے۔ کسی جراثیم یا وائرس میں اتنی
طاقت نہیں ہوتی کہ وہ ایک صحت مند وجود کو بیمار کر سکے۔

میں نے ان کی کھانسی و دمے اور ذیابیطس کی علامتوں کو دیکھتے ہوئے نیز ان کے
قد اور رنگت کو دیکھتے ہوئے فاسفورس تجویز کی تھی لیکن وہ فاسفورس نہ تھے اس لئے
ٹھیک نہ ہوئے۔ ان کی دوا تھی الیسٹڈ فاس یہ مجھے بعد میں سمجھ میں آئی یا کاسٹیکم

غور کیجئے کہ جس شخص کے مزاج میں ایسی فیاضی ہو کہ وہ دوسروں کو شرمندہ ہوتا نہ
دیکھ سکے وہ اپنی نجی زندگی میں کس طرح متاثر ہوتا ہوگا انھوں نے اپنی ذاتی زندگی کے
بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔ مگر یہ سمجھنے کی بات تھی ایک انسان کی زندگی میں کتنے
ایسے واقعات آتے ہیں۔ کبھی دوست کی دغا بازیاں کبھی بیوی یا معشوقہ کی بے وفائی

نہ جانے کیسے کیسے مراحل سے گذرنا پڑتا ہے اُسے، اور جس شخص کا یہ مزاج بن گیا ہو
کہ وہ سامنے والے کو بھی شرمندہ نہیں دیکھنا چاہتا بلکہ دوسری طرف منہ کر لیتا ہے۔
اب آپ اندازہ لگائیے کہ بعض اوقات یہ غم اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ دیمک کی طرح
سارے جسم کو چاٹ جاتے ہیں۔

ذیابیطس ایک دیمک ہی تو ہے۔ جب غم دل کی گہرائیوں میں اُتر گئے ہوں تو اس
مریض کی دوا ہے الیسٹڈ فاس، چاہے اسے ذیابیطس ہو گئی ہو یا ایڈز۔

ہومیوپیتھی کا کلاسیکی فن یہی ہے اور یہ فن کسی یونیورسٹی کی ڈگری لینے سے نہیں
آجاتا بلکہ یہ فن آتا ہے ریاض و زہد کے بعد اور کسی استاد کی رہنمائی سے۔

دوسرا کیس بھی فلمی دنیا کی ایک قد آور شخصیت کا تھا اور ان کا بھی قد اونچا تھا، دُبلے
پتلے تھے مگر رنگت گہری سانولی تھی اور ہاتھ میں پان کا ڈبہ لے کر چلنے کی عادت تھی
ایک زمانے تک بڑی بڑی اور مشہور فلموں کے ساتھ ان کا نام وابستہ رہا مگر اب بڑھاپے
میں گمنامی کی سی زندگی بسر کر رہے تھے۔

پہلی بار جب وہ میرے پاس آئے تو تحفتاً ہومیوپیتھی کی ایک مشہور کتاب لائے
تھے وہ اس کو ہماری نذر کرنا چاہتے تھے اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہومیوپیتھی میں اچھا
خاصہ دخل رکھتے تھے لیکن اپنا علاج کروانے کے لئے ہمارے پاس آئے تھے۔

اُن کو کھانسی کی شکایت تھی۔ دمکشی کی کھانسی، کھانستے کھانستے دم پھول جاتا۔ صابن کے
جھاگ کی طرح بلغم آتا تھا۔ کھانسی رات کو زیادہ ہوتی تھی۔ چلنے میں کمزوری تھی۔ وہ بات
زیادہ کرتے تھے۔ اپنے اشعار بھی سناتے تھے اور دوسروں کے بھی بات بہت زیادہ کرتے
تھے۔ ہنس ہنس کر لیکن وزن دار باتیں۔

جو شخص اپنائیت سے ملے اور تحفہ بھی لائے اس کی دوا تشخیص کرنے میں کوئی دشواری نہیں تھی۔ یہ تو بالکل صاف کیس تھا اور اسی مناسبت سے میں نے ان کے لئے فاسفورس طاقت تیس میں صرف دو خوراکیں تجویز کیں۔ میں جتنا پر اعتماد تھا اتنا ہی نگیٹو نتیجہ سامنے آیا۔ دوسرے روز ان کے گھر سے ایک فرد آیا وہ بولا ان کو رات بہت تیز بخار آگیا تھا ان کی حالت بہت نازک ہے میں اس شخص کی باتوں میں آگیا اور ان کے لئے ان کے بخار کے لئے علامتوں کے مطابق ایک دوا بھجوا دی۔ بخار تو اُتر گیا لیکن اب وہ لاغر ہو چکے تھے اپنے کمرے میں اپنی چارپائی پر پڑے ہوئے تھے۔ نقاہت اور کمزوری حد سے زیادہ تھی بد احوال، سُنا تو میں نے یہ ضروری سمجھا کہ ان کے گھر جا کر ان کی مزاج پرسی کی جائے۔

دوسرے روز صبح میں ان کے گھر پہنچا وہ اپنی چارپائی پر یوں دراز تھے گویا ذرا سا بھی جنبش نہ کر سکیں گے۔ سامنے پیک دان رکھا ہوا تھا۔ جو کہ پان کی پیک اور بلغم سے بھرا ہوا تھا۔ اس عالم میں بھی ان کا پان کا شغل جاری تھا۔ سرسری طور پر میں نے ان کے کمرے کا جائزہ لیا۔ ہر طرف کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ وہ اپنے ایک خیر خواہ کے گھر پر رہتے تھے۔ ان کے بیوی بچے دوسرے ملک میں تھے۔ تھوڑی دیر یوں خاموش رہنے کے بعد ان میں اچانک توانائی عود کر آئی۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور بولے۔ بڑی کرم فرمائی کی آپ نے جو مجھ کو دیکھنے آئے اور پھر وہ بولتے ہی رہے۔ بیچ بیچ میں اپنے اشعار بھی سناتے جاتے۔ مطلب یہ کہ جتنی دیر ہم وہاں بیٹھے رہے ان کی سنتے رہے۔ اب ہم کو اپنی غلطی کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے فاسفورس تھے۔ فاسفورس نے ان کے اندر تحریک شروع کر دی تھی۔ بخار اسی کے پیش نظر ہوا تھا۔ جس کے بعد مکمل شفا یقینی تھی۔ لیکن بخار کے لئے دوا دیکر ان کے اندر کی تحریک کو میں نے ختم کر دیا تھا۔

یہی غلطی تھی۔ بخار تو ٹھیک ہو گیا تھا لیکن نقاہت اور کمزوری لوٹ آئی تھی۔ اب مجھے ان کی نقاہت اور کمزوری کے مطابق نسخہ تجویز کرنا تھا۔ پھر یہ سلسلہ شروع ہو گیا کمزوری ٹھیک ہوئی تو کھانسی شروع ہو گئی۔ کھانسی کم ہوئی تو بخار آگیا۔ ایسا کیس پھر قابو میں نہیں آتا۔

جب مریض کو اس کی صحیح دوا ملتی ہے تو اس کے اندر ایک انقلاب برپا ہوتا ہے۔ ایسے مریض کو اس کی تکلیفوں کے مطابق دوا نہیں دینی چاہیئے۔ البتہ اس پر نگرانی رکھنی چاہیئے۔ اکثر تکالیف کے بعد مکمل آرام شروع ہو جاتا ہے اور مرض پورے طور پر دفع ہو جاتا ہے۔ اگر مریض میں تکلیفوں کا سلسلہ طویل ہوتا جا رہا ہے اور اس کی حالت بگڑ رہی ہے، اس صورت میں اپنے نسخہ پر نظر ثانی کرنا چاہیئے۔ ورنہ معالج کو اپنا منہ دوسری طرف کر لینا چاہیئے۔

یہاں میں نے اپنے دو ناکام کیسوں کا تذکرہ کیا ہے۔ پہلا کیس ذیابیطس کا تھا اور جس کی دوا ایسڈ فاس تھی دوسرا مریض فاسفورس کا تھا اس کو ٹی بی تھی۔

ایسڈ فاس کی علامتیں عموماً ایسے حالات کے سبب رونما ہوتی ہیں جب ان کی وجہ گہرے صدمات ہوں۔ جبکہ فاسفورس اپنے احساس کی وجہ سے بیمار پڑتا ہے۔ اپنی چھٹی حس کی وجہ سے بیمار پڑتا ہے۔ جی چاہ رہا ہے کہ ان دونوں دواؤں کے نمونے مغل تاریخ کے دو مشہور بادشاہوں سے دوں۔

شہنشاہ شاہجہاں جن حالات میں بیمار پڑا تھا کہ ایک ہی رات میں اس کے سر کے سارے بال سفید ہو گئے تھے۔ یہ غم اس کے اپنے بیٹے نے دیئے تھے۔ یہ ایسڈ فاس ہے۔ یقیناً شاہجہاں کی دوا ایسڈ فاس تھی اور بابر کی دوا تھی فاسفورس۔

بابر نے اپنے بیمار بیٹے کے سرہانے بیٹھ کر یہ دعا کی تھی کہ خدایا اس کی بیماری اُسے دے دے اور اس کے بیٹے کو اچھا کر دے اور اس دعا کا اثر یہ ہوا تھا کہ بابر دوسرے ہی روز بیمار پڑ گیا اور اس کا انتقال اسی بیماری میں ہوا جس میں اس کا بیٹا ہمایوں مبتلا تھا۔ یہ فاسفورس ہے۔

فاسفورس اس قدر جلد اثر قبول کرتا ہے۔

عجیب و غریب مرض جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا گیا۔

اب ایک ماہ کی بچی کے کیس کا ذکر ہے اس کو بھی اپنی ناکامیوں میں شامل کرتا ہوں۔ حالانکہ یہ کیس میری بہت بڑی کامیابی تھا۔ اس کی پیدائش کے دوسرے روز ہی اس کے بدن پر بڑے بڑے چھالے پیدا ہو گئے تھے اور جو بڑھ کر بڑے بڑے پھپھولوں کی شکل اختیار کر لیتے تھے ان چھالوں میں پیپ اور پانی بھرا ہوتا تھا اور یہ بڑھتے ہی جاتے تھے اس وقت تک کہ جب تک ان کو سوئی سے پھوڑا نہ جاتا یا قینچی سے کاٹا نہ جاتا۔

اس ننھی سی بچی کی آنکھوں ہونٹوں اور ناخنوں میں بھی یہ چھالے پھیل گئے تھے اور اس کی آنکھوں کی پلکوں سے خون جھڑتا تھا۔ اس کی پلکیں ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے کسی چوہے نے انھیں کُتر لیا ہو۔ اور اس میں سے اس طرح خون ٹپکتا تھا گویا کہ اسے صلیب پر لٹکا دیا ہو۔ بڑے سے بڑا جگر والا شخص بھی اس بچی کو ایک نظر دیکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ کچھ ایسی ہیبت ناک وجود بن گئی تھی۔

وہ بچی دوسرے شہر سے بمبئی لائی گئی تھی اور یہاں ایک بڑے اور قیمتی اسپتال

میں زیر علاج تھی۔ بڑے بڑے ڈاکٹر اور ماہر اس کے معالج تھے۔ ریسرچ کرنے والے ڈاکٹر بھی اس کے معالج تھے کیونکہ یہ مرض نہ دیکھا گیا نہ سنا گیا تھا۔ وہ واقعی ایک عجیب و غریب مرض تھا جو ایک معمولی سے چھالے سے شروع ہوا تھا اور دیکھتے دیکھتے ایک بڑا سا پھپھولا بن جاتا تھا اس وقت تک بڑھتا ہی جاتا تھا جب تک اُسے پھوڑا نہ جاتا۔ پھوڑنے کے لئے اُسے کاٹنا پڑتا تھا کیونکہ یہ پھپھولا پوری جلد کو اُکھاڑ کر پھیلتا تھا اور پھیلتے پھیلتے اگر اُسے پھوڑا نہ جاتا تو بالکل غبارے کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔ پھوڑنے کے بعد وہ خشک ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد دوسری جگہ سے نکلتا تھا۔ اس طرح بچی کی تمام جلد اس کے زخموں اور پھپھولوں سے بھری پڑی تھی ان زخموں کے چھونے سے خون بھی نکلتا تھا۔ تکلیف سے وہ روتی تھی لیکن برداشت بھی کرتی تھی۔ ایک ماہ کی بچی میں اتنی ہمت تھی کہ اتنی خطرناک بیماری کو جھیل رہی تھی۔

تمام علامتوں پر غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ قدرتی مرض ہے۔ یعنی وہ مرض کہ جس کا وجود کائناتی سطح پر ہوتا ہے۔ ایسا مرض کسی جراثیم یا وائرس کی وجہ سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ جراثیم اس میں بعد میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایسے قدرتی مرض ایلوپیتھک علاج سے ٹھیک نہیں ہوتے۔ ایلوپیتھک علاج سے تو صرف وہ امراض شفا پا سکتے ہیں کہ جن کا سبب کوئی ظاہری ہو کیونکہ ایلوپیتھک لیبارٹری کی خوردبینی آنکھ اتنی تیز نہیں ہوتی کہ وہ باطن میں بیماری کے سبب کو تلاش کر سکے۔ یہ بچی کسی جراثیم کا شکار نہیں ہوئی تھی بلکہ اپنے والدین کی کرنیوں کا پھل لے کر پیدا ہوئی تھی۔ یہ پیدائشی سفلس تھا آتشک کا فساد۔

یہاں میں نے تین باتوں کو اہمیت دی۔ پہلی بات یہ کہ پہلا چھالہ اندام نہانی سے

شروع ہوا تھا۔ دوسری بات یہ کہ پھپھولوں اور چھالوں کی رنگت بھوری تھی اور تیسری بات یہ کہ ان کے زخموں کو چھونے سے خون نکلنے لگتا تھا۔ پس ان تینوں علامتوں کی روشنی میں نائیٹرک ایسڈ طاقت ۳۰ میں صرف ایک خوراک دوا دی گئی۔ نائیٹرک ایسڈ دافع سفلس ہے۔ ایک خوراک سے حیرت انگیز نتیجہ سامنے آیا۔ دوسرے ہی روز سے تمام چھالے مرجھا گئے اور زخم ٹھیک ہوگئے۔ دو تین روز میں یوں معلوم ہوا گویا اس بچی کو کبھی چھالے ہوئے ہی نہ ہوں۔ وہ ٹھیک ہوگئی تھی۔

لیکن ——؟ لیکن یہ میری بدقسمتی تھی میں اس حیرت انگیز کیس کو یوں ٹھیک ہوتا دیکھ یہ چاہتا تھا کہ اس کے معالج اور وہ ریسرچ اسکالر اور ماہرین بھی اس بچی کو دیکھیں اور ہومیوپیتھی کی صداقتوں پر ایمان لے آئیں یہ ان کے لئے ریسرچ کا بہتر راستہ تھا۔ ہومیوپیتھی بذات خود ایک بڑی ریسرچ ہے جو کہ آج سے دو سو برس قبل ہوئی ہے۔ بس اُسے اب سمجھنا ہے اور اس راستے کو اپنانا ہے۔ مگر یہ میری خوش فہمی تھی۔ کسی بھی ڈاکٹر نے یہ ضرورت نہ سمجھی کہ اس بارے میں اُسے ٹھیک ہونے کے راز کو سمجھنے کے لئے مجھ سے رابطہ قائم کرتا۔ الٹے وہ اس کے لئے ٹانک اور دودھ کے نسخے تجویز کرتے رہے۔ کاش میں نے دوبارہ ان معالجوں کے پاس اس بچی کو نہ بھیجا ہوتا۔ کیونکہ والدین اس بچی کو اسپتال سے ڈسچارج کروا چکے تھے۔ ان کو اس بچی کے ٹھیک ہونے پر حیرت تو ہوئی تھی لیکن کسی نے کچھ اور جاننا نہ چاہا۔ سوائے ایک ڈاکٹر کے کہ اس نے دبے لفظوں میں صرف اتنا پوچھا کہ میں نے کون سا مرہم استعمال کیا۔ یہ مادی باتوں کو اہمیت دینے والے ماہرین اس سے زیادہ اور سمجھ بھی کیا سکتے ہیں۔ کہ کسی مرہم سے ہی ایسا مرض ٹھیک ہو سکتا ہے۔ وہ باطن کو دیکھنے کی اہلیت نہیں رکھتے

اسی لئے ان کو ہومیوپیتھی سمجھ میں نہیں آتی۔ اچھا ہوتا کہ میں نے ان کو ان کے شہر روانہ کردیا ہوتا۔ کیونکہ علاج تو ہوگیا تھا لیکن ان معالجوں کو دوبارہ دکھلانے اور اسپتال لے جانے کے چکر میں ان کو یہاں رکنا پڑا۔ اسپتال میں بچی کو ڈبے کا دودھ دیا جاتا تھا اب وہ اس کو بھینس کا دودھ پلانے لگے تھے۔ کچھ دنوں بعد بچی کو ڈائریا ہوگیا۔ میں یہ سمجھا کہ ڈائریا قدرتی مرض کے اخراج کا اظہار ہے۔ لہٰذا میں نے اس ڈائریا کو اہمیت نہ دی کیونکہ بھینس کے دودھ والی بات کا مجھے علم نہ تھا نہ ہی والدین نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ وہ مجھے بتاتے کہ انھوں نے اسے بھینس کا دودھ پلانا شروع کیا ہے۔ آخر بھینس کے دودھ اور ڈاکٹروں کے ٹانک نے رنگ دکھایا اور ڈائریا نے شدت اختیار کرلی۔

وہ بچی جو اس عجیب و غریب مرض سے شفایاب ہوچکی تھی ایک ظاہری سبب نے اسے دوبارہ بیمار کردیا اور وہ فوت ہوگئی۔

بھینس کا دودھ انسانی بچوں کو میل نہیں کھاتا۔ اکثر نونہال اس کی وجہ سے ڈائریا کے مرض میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ ننھے بچوں میں اکثر اموات ڈائریا کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ کاش یہ مائیں اپنے بچوں کو اپنا دودھ پلانے کی عادت ڈال لیں۔ بیسویں صدی کی سب سے بڑی لعنت یہی ہے کہ اکثر و بیشتر مائیں بچوں کو باٹل کا دودھ پلاتی ہیں۔

ہر معالج کو اپنی ناکامیوں پر غور کرنا چاہیئے اور ان سے سیکھنا چاہیئے۔ کیونکہ کامیابیاں دماغ خراب کردیتی ہیں۔ آدمی آسمان پر اُڑنے لگتا ہے۔ پھر ایسے شخص کو زمین پر آتے دیر نہیں لگتی۔ اپنی ناکامیوں پر جب غور کر رہا ہوں تو ایک اور دھندلا سا چہرہ اُبھر کر سامنے آگیا ہے۔ یہ بھی کئی سال پرانی بات ہے۔ یہ ایک چھ سات سالہ بچی تھی اس کی رنگت سیاہ اور آنکھیں ڈھکی ہوئی۔ اس کی آنکھوں کے اوپری پلکیں فالج زدہ تھیں وہ انھیں پوری

طرح سے اوپر اٹھا نہیں سکتی تھی۔ اس طرح کی پلکوں کا ایک علاج تو یہ ہے کہ پلاسٹک سرجری کی جائے لیکن والدین ایسے علاج سے گھبراتے تھے وہ اسپتال میں جانے سے گھبراتے تھے۔ کیونکہ ان کا ایک بچہ اسپتال میں علاج کے دوران فوت ہوگیا تھا۔ اس کے والدین کی رنگت گوری تھی۔

اس کیس میں پہلی بات تو یہی تھی کہ سفید جلد کے والدین کی بچی آخر کالی کیوں؟ یہ بھی سفلس ہی تھا۔ آتشک کی آگ ہی تو ہے اگر اس کے اثرات والدین کے خون میں ہیں تو ایک گوری چیٹی ماں بھی ایک کالے سیاہ بچہ کو جنم دے گی۔ اس کے رحم میں آتشک کی آگ سے جل کر بچہ سیاہ ہوجاتا ہے۔

یہ تو اب یاد نہیں کہ اس بچی کی آنکھوں کی پلکوں کے فالج کے لئے کیا دوا دی تھی۔ کچھ دنوں بعد بچی کی فالج زدہ پلکیں ٹھیک ہونے لگیں اور اس کی رنگت بھی نکھرنے لگی۔ ایک روز اس کے والدین نے خود یہ سوال کیا۔ ڈاکٹر صاحب ہم دونوں کی رنگت تو سفید ہے پھر یہ کیا بات ہے کہ ہمارے بچے کالے پیدا ہوتے ہیں۔ بالکل سیاہ اس کا یہ سوال سن کر میں صرف مسکرا دیا۔ میں نے صرف یہ کہا کہ اب جب بچہ کی آمد کا امکان ہو تو حمل کے دوران ماں کا علاج کروانا۔ اتفاق سے ماں حاملہ تھی۔ لہذا اس کا علاج بھی شروع ہوگیا۔

جب لوگوں کو ہومیوپیتھی کی صداقتوں کا تجربہ ہوجاتا ہے۔ تو وہ اپنی چھوٹی چھوٹی شکایتوں کے لئے بھی ہومیوپیتھی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ بعض اوقات یہ چھوٹے چھوٹے امراض شدید ہوتے ہیں۔ جو فوری توجہ طلب کرتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر یا تو اسپتال کے ایمرجنسی شعبے سے رجوع کرنا چاہیئے۔ یا اپنے آس پڑوس کے جنرل پریکٹشنر سے۔

لیکن لوگ کنسلٹینٹ کے پاس بے کر بھاگتے ہیں۔ مشورہ دینے والے ڈاکٹر کے پاس مریض کم ہوتے ہیں مگر وقت زیادہ لگتا ہے۔ ہر نئے مریض کے ساتھ وقت زیادہ لگتا ہے۔ اس لئے ایک کنسلٹنٹ ڈاکٹر حادثی شدید کیسوں کی طرف فوری توجہ دینے سے قاصر ہوتا ہے بہر کیف یہ لوگ چھوٹے موٹے امراض کے لئے بھی مجھ سے رجوع کرتے۔ بچی صحت یاب ہوگئی تھی ماں کی ڈیلیوری کی تاریخ بھی قریب آگئی اور بہ عافیت خیر خیریت سے اس نے ایک لڑکے کو جنم دیا۔ یہ لڑکا اپنے والدین کی طرح گورا تھا۔

لیکن اس کے دوسرے روز سے وہ بچی بیمار پڑگئی۔ اس کو بخار آگیا۔ والد نے یہ بتایا کہ بچی میٹرنٹی ہوم میں اپنی ماں کے ساتھ ایک نوزائدہ بچے کو دیکھ کر ڈر گئی ہے شائد۔ وہ اپنے والد کی گود میں تھی اور اپنی دونوں باہیں والد کے گلے میں ڈال کر مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھی۔ کوئی بچہ اگر یوں اسطرح چمٹا ہوا ہو تو اس کے بخار کے دوا کی تشخیص صرف اسی علامت سے ہوجاتی ہے۔ پھر یہ بات بھی واضح تھی کہ وہ اسپتال میں ڈر گئی تھی۔ لہذا ان باتوں کی روشنی میں بچی کے بخار کے لئے جیلسیمم تجویز کی گئی۔ جسمیں ہے جیلسیمم یعنی چنبیلی، اور چنبیلی رات میں کھلتی ہے۔ رات کے سناٹے میں اس کے پھولوں کی خوشبو دور دور تک پھیل جاتی ہے۔ اکثر سرد سیاہ راتوں میں چنبیلی کے منڈوے تلے زہریلے سانپوں کا بسیرا ہوتا ہے۔ ان سانپوں کو اس کی خوشبو کھینچ لاتی ہے یا کہ پھر وہ اس کی جڑوں کے نیچے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں۔ بہر حال یہ پھول ایسے ڈر اور خوف کے ماحول میں کھلا رہتا ہے۔ تب پھر اس سے حاصل ہونے والی دوا خوف اور ڈر کا مداوا کیوں نہ ہو۔ اسی لئے تو کہتا ہوں کہ ہومیوپیتھی خدا کا قانون ہے اور جو سمندر کی طرح وسیع ہے جیسے جیسے آپ اس میں اتریں گے خدا کی قدرت کے راز آپ پر کھلتے جائیں گے۔

جیلسیم کی دو ایک خوراکوں سے ہی بچی کا بخار ٹھیک ہو گیا تھا۔ اسی لئے دو چار روز اس کے والد نے کوئی خبر نہ دی۔ عام لوگوں کے ساتھ بس یہی خرابی ہے۔ اکثر علاج کا مطلب بس یہی سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی تکلیف ہو تو ڈاکٹر کے پاس جانا ورنہ کیوں؟ تکلیف رفع ہو جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کو اس بیماری سے مکمل چھٹکارا مل گیا ہے کیونکہ بیماری وہ نہیں ہے کہ جو ایکسرے یا کسی ٹسٹ رپورٹ میں نظر آتی ہے۔

ہر بیماری ہر خرابی سورا کا فساد ہے اور سورا وہ شیطان رجیم ہیں پر لعنت کی گئی ہے میں تو اس شیطان کے ساتھ ہر وقت آنکھ مچولی کھیلتا رہتا ہوں اور ہر اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا کہ جب اس پر کنکری مار سکوں اور مریضوں کو اس کے شکنجے سے نکال سکوں۔ یہ شیطان انسانوں کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ ہر خرابی کی جڑ یہی ہے۔ ہر بیماری اور فساد کی ماں یہی ہے۔ مطلب یہ کہ بخار اُتر جانے کے بعد اس شیطان کو قابو میں رکھنے کے لئے ایک مخصوص دوا کی ضرورت تھی اس دوا کی ساری خصوصیات اس شیطان سے ملتی جلتی ہیں۔ لیکن والدین کی لاپرواہی سے یہ موقع ہاتھ سے چلا گیا۔

چار پانچ روز بعد وہ بچی دوبارہ بیمار پڑ گئی اس بار ساری علامتیں شدت سے نمودار ہوئی تھیں اور تمام تکلیفیں آدھی رات کے بعد سے شروع ہوئی تھیں۔ بچی بار بار پانی مانگتی تھی۔ پانی پینے سے اسکو آرام ملتا تھا۔ لیکن پانی پینے کے دوران وہ گلے سے عجیب طرح کی آوازیں نکالتی تھی۔ اس بار بخار کے ساتھ اس کو الٹیاں اور آؤں کے پاخانے بھی تھے۔ صبح چار بجے اس کے والدین نے فون کیا اور بچی کی شدید بےچینی اور اضطراب کا احوال سنایا اور ساری علامتیں بیان کیں۔

میں نے ان کی باتوں سے صورتحال کا اندازہ کر لیا تھا۔ اس لئے ان کو مشورہ دیا کہ فوراً کسی مقامی ڈاکٹر سے رجوع کریں یا اس کو اسپتال لے جائیں لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے فون پر ہوئی بات کے مطابق نسخہ بتانے سے میں اکثر جھجھکتا ہوں۔ لیکن بعض اوقات مجبوری ہوتی ہے۔ میں نے آدھی رات کے بعد مرض میں شدت، اضطراب و بےچینی نیز پیاس کی شدت ان تینوں باتوں کو اہمیت دی اور اسی کے مطابق آرسنک تجویز کی۔

میں اپنے نسخے پر جتنا زیادہ پر اعتماد تھا وہ اتنا ہی غلط ثابت ہوا تھا۔ میری غلطی یہ تھی کہ فون پر مریضہ کا احوال سن کر دوا تشخیص کر بیٹھا تھا۔ اسی روز شام کو بچی کو لے کر وہ مطب پہنچے۔ مطب میں مریضوں کی بھیڑ تھی اور بچی کی حالت بہت خراب تھی بہت نازک اس کی انگلیوں کے ناخن اور ہونٹ نیلے پڑ چکے تھے۔ زبان خشک تھی اور سانپ کی طرح بار بار وہ زبان باہر نکالتی تھی ساتھ میں تشنجی دورے بھی پڑتے تھے۔ وہ اپنی آنکھیں اوپر پھیر لیتی تھی۔ دانت کاٹتی تھی۔ متواتر الٹیوں کی وجہ سے اس کے جسم کا پانی خشک ہو گیا تھا اور اس کو فوری گلوکوز سلائین کی ضرورت تھی میں اسے پاس کے سرکاری اسپتال میں لے جانے کا مشورہ دے رہا تھا اور وہ بضد تھے کہ نہیں۔ گلوکوز سلائین کو وہ ایلوپیتھک علاج سمجھے تھے ان کا کہنا تھا کہ اگر ایلوپیتھک علاج ہی کروانا ہوتا تو ہم آپ کے پاس کیوں لے کر آتے۔ وہ کسی طرح اسپتال لے جانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور صورتحال یہ تھی کہ ہر پل اور ہر لمحہ قیمتی تھا۔ میں نے ان کو کافی سمجھایا کہ پاس کے اسپتال میں لے کر چلیں اور میں تھوڑی دیر بعد پہنچتا ہوں۔ حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے میں تھوڑی سی مہلت چاہتا تھا کہ علامتوں پر غور کر سکوں لیکن وہ حالات کی سنگینی سے بےخبر ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی پر بحث کئے جا رہے تھے۔

کیا آپ کے پاس اس کا علاج نہیں ہے؟ کیا آپ کے پاس گلوکوز کا بدل نہیں ہے؟۔ آخر دل برداشتہ ہو کر وہ مطب سے نکلے اور بچی کو کسی پرائیوٹ اسپتال لے گئے۔ اکثر قارئین یہ سوچ رہے ہوں گے کہ کیا ہومیوپیتھی کے پاس ایسی صورتحال کا علاج نہیں ہے؟

تو یہ بات نہیں ہے، مرض کے شکنجے میں جکڑی ہوئی مریض کی روح ہر صورت حال میں علامتوں کے ذریعہ دوا کی طرف اشارہ کرتی ہے لیکن اس کی زبان کو سمجھنا۔ علامتوں کو سمجھنا آسان نہیں ہے۔ اس کے لئے تھوڑا وقت درکار ہے۔ علامتوں کے موافق کے اور اس کے خلاف تمام شواہد اور ثبوت اکٹھا کرنے پڑتے ہیں اور اس کے بعد ہی صحیح دوا کا سراغ ملتا ہے اور اس کے لئے ہومیوپیتھی کی کتاب، ریپرٹری یعنی وہ کتاب جو کہ علامتوں کی کسوٹی ہے، سے مدد لینا پڑتی ہے اور اس میں کچھ وقت لگتا ہے۔ مگر چونکہ میں مطب میں تھا اور مطب میں ایسے نازک مرحلوں میں مریض کو روکے رکھنا پر خطر تھا ڈاکٹری پیشہ ہے ہی جوکھم کا کام۔ اسی لئے میں مریض کو پاس کے میڈیکل کالج میں منتقل کرانا چاہتا تھا۔ سرکاری اسپتالوں کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایسے ہنگامی حالات کو قابو میں رکھنے کے لئے ڈاکٹروں کی پوری ایک ٹیم ہوتی ہے۔ لیکن اکثر لوگ سرکاری اسپتال سے کتراتے ہیں۔ کیونکہ لوگوں کو علاج سے زیادہ اپنے آرام و آسائش کا خیال بھی ہوتا ہے بچی کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی میں اس بچی کی دوا تجویز کر چکا تھا۔ لیکن ان میں سے کسی نے مجھ سے رابطہ قائم نہ کیا۔ میں انتظار ہی کرتا رہا اور رابطہ جب قائم کیا جب بچی ختم ہو چکی تھی۔

اس سے پہلے کہ میں ہیضہ سے پیدا ہونے والی ایسی سنگین صورتحال پر علامتوں کے مطابق ہومیوپیتھک دواؤں پر اظہار خیال کروں۔ اس کیس کی مکمل تفصیل بتا دوں

بچی کو بیمار کرنے کا سبب ہوٹل کا کھانا تھا۔ جب ماں میٹرنٹی ہوم میں داخل تھی تو باپ بیٹی دونوں ہوٹل میں کھانا کھایا کرتے تھے۔ جس پرائیوٹ اسپتال میں وہ اس کو لے کر گئے تھے اس اسپتال کے معاون ڈاکٹر غالباً اناڑی تھے۔ رات بھر ان کو گلوکوز سلائین چڑھانے کے لئے بچی کی نس نہ ملی۔ صبح کے وقت جب بڑے ڈاکٹر آئے۔ تب نس ملی۔ لیکن اب یہ پیچیدگی تھی کہ اتنا وقت گذر جانے کے بعد نسیں مفلوج ہو چکی تھیں۔ یعنی اب مکمل شاک کی کیفیت تھی۔ گلوکوز چڑھ ہی نہ سکا۔ اور کچھ گھنٹوں کے بعد بچی فوت ہو گئی۔

ہیضہ ایک مہلک بیماری ہے اور ایشیائی ممالک میں اس کا زور ہے کیونکہ یہاں ماحول میں گندگی ہوتی ہے۔ ہیضہ کے جراثیم گندگی میں پھیلتے پھولتے ہیں۔ ڈاکٹر ہانیمین نے ہیضہ کا ایک مریض بھی نہیں دیکھا تھا لیکن ہیضہ کے مرض کے لئے چار ہومیوپیتھک دواؤں کی نشاندہی کی تھی۔ کیونکہ جو علامتیں وہ ایشیائی ہیضہ کے متعلق سنتے تھے۔ ان علامتوں کا احاطہ یہ چار دوائیں کرتی ہیں۔ لیکن ہومیوپیتھی ایلوپیتھی کی طرح اتنی آسان نہیں ہے کہ یہاں بھی آپ چار دواؤں کا مکسچر بنا کر مریض کو پلا دیں۔

ہومیوپیتھی میں مکسچر اور فارمولا کچھ نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو بہت آسان تھا اور پھر اسے ہومیوپیتھی یعنی بالمثل کے نام کی ضرورت بھی کیا تھی۔ خدا کا قانون کوئی معنی نہ رکھتا ــــ چاروں میں فرق کرنا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔ تب ہی تو میں کہتا ہوں کہ ہومیوپیتھی کسی سرٹیفکٹ یا ڈگری حاصل کر لینے سے نہیں آجاتی بلکہ محنت اور ریاضت سے آتی ہے۔ مراقبے سے آتی ہے۔ زہد و عبادت سے آتی ہے۔ خدا کے قانون کو سمجھنا ایک عبادت ہی ہے۔

یہ چار دوائیں ہیں، آرسنک یعنی سنکھیا۔ کیوپرم یعنی تانبہ، تیسری ایتھوزا اور چوتھی دوا ہے ویریٹرم۔

آرسنک تانبے کا نمک ہے۔ یہ آرسنک سنکھیا میں بھی موجود ہے اور ایک سیدھی سادی مثال یہ ہے کہ کوئی بھی تانبے کا برتن اگر یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو ہوا کی نمی سے اس تانبے میں ہلکے نیلے رنگ کا نمک بن جاتا ہے اور یہ زہریلا نمک اس کی باہری اور اندرونی سطح پر جمع ہو جاتا ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اکثر محلے کے بچے کسی مذہبی تقریب میں ان تانبے کے بڑے بڑے برتنوں میں شربت بناتے ہیں اگر وہ برتن ٹھیک طرح سے صاف نہیں کیا گیا ہے تو اکثر بچے اس شربت کو پی کر بیمار پڑ جاتے ہیں۔ اُلٹیاں اور جلاب کرنے لگتے ہیں۔ بڑی ہنگامی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے۔ ان بچوں کو اسپتال لے کر بھاگنا پڑتا ہے۔ اکثر اموات ہو جاتی ہیں یہ ہیضے کی ایک شکل ہے۔

اس میں تمام علامتیں شدت کے ساتھ نازل ہوتی ہیں۔ اکثر آدھی رات کے بعد شدید اضطراب و بےچینی کے بعد مریض کو ازحد پیاس ہوتی ہے۔ وہ بار بار پانی پیتا ہے۔ متلی ابکائی اور قے، پاخانہ درد کے ساتھ ہوتا ہے۔ سخت بدبودار پاخانہ اور بے حد تھکان و کمزوری لاتا ہے اور جسم برف کی طرح سرد پڑ جاتا ہے۔ تانبے کے نمک کے یہ زہریلے اثرات تانبے کے نمک سے دور بھی ہو جاتے ہیں اور تانبے کا یہ نمک قدرتی طور پر سنکھیا میں موجود ہے۔ یہ سنکھیا مشہور زمانہ زہر اور ہومیوپیتھی کی مشہور دوا آرسنک ہے۔

ہیضہ کی دوسری سب سے بڑی دوا بذات خود یہ تانبہ ہے۔ ہمارے بزرگ اس تانبے کا استعمال خوب جانتے تھے۔ تانبے کے برتنوں میں پانی پینا، تانبے کا پٹہ کمر پر باندھنا۔ تانبے کے برتنوں میں کھانا بنانا۔ تانبے کے برتنوں میں پینے کا پانی رکھنا۔ تانبہ جراثیم کش ہے۔ تانبے کی موجودگی میں کوئی بھی جراثیم پنپ نہیں سکتا۔ آج ہم یہ سب بھول گئے۔ تانبہ ایکسپورٹ کر دیا جاتا ہے۔ ہاں البتہ کوئی یوگی راج یا سادھو کسی کروڑپتی کی بیوی

کو اس کی اچھی صحت کے لئے یہ نسخہ ضرور بتاتا ہے اور دوسرے روز وہ بازار میں تانبے کا لوٹا یا تانبے کا گلاس خریدتی ہوئی نظر آ جائے گی۔

کسی ہوٹل میں اگر نجس آلود کھانا کھایا ہے یا پانی پیا ہے تو وہ افراد یا معصوم بچے کہ جن کے جگر پہلے سے کمزور ہوں گے بیمار پڑ جائیں گے ان کو ہیضہ ہو جائے گا۔

اکثر میں تانبے کی علامتیں ملیں گی۔ تانبا یعنی کاپر، ہومیوپیتھی میں اس دوا کو کیوپرم میٹیلکم کہتے ہیں۔ تانبے کی علامتیں بھی شدید ہوتی ہیں۔ اضطراب و بےچینی کے ساتھ جی متلی اور الٹی، درد اور مروڑ کے ساتھ پتلے خون ملے پاخانے، آنوں کے پاخانے، مریض کو پانی پینے سے آرام آتا ہے۔ اُلٹی اور متلی کو آرام آتا ہے۔ کھانسی کو آرام آتا ہے۔ سانس کی تنگی کو آرام آتا ہے اس لئے بچہ بار بار پانی مانگتا ہے۔ اس کے ساتھ تشنجی دورے بھی ہوتے ہیں۔ سانس کی تنگی اسی وجہ سے ہوتی ہے جس کو پانی پینے سے آرام ملتا ہے۔ لیکن سانس کی نالی کی تنگی، حلق کی تنگی کی وجہ سے، پانی پیتے وقت گلے سے کرخت آواز نکلتی ہے۔

ایسی پانی کی اشتہا اور ایسی علامتوں کی شدت اضطراب و بےچینی بالکل آرسنک کی طرح ہوتی ہے۔ لیکن یہاں پانی وہ اس لئے پیتا ہے کہ پانی سے اس کو آرام آتا ہے بچہ یہ بات سیکھ لیتا ہے۔ بچے کی ماں بھی یہ بات جان جاتی ہے۔ دورے کے وقت پانی کا گلاس لے کر دوڑتی ہے۔

علامتوں کی تفریق بہت مشکل ہے۔ ہومیوپیتھی بہت مشکل ہے۔ یاد کیجئے فون پر بتائی گئی اس بچی کی مکمل کیفیت، اس کے والد نے یہ بات بتائی تھی کہ پانی پیتے وقت اس کے گلے سے عجیب آواز نکلتی ہے۔ اور یہی خاص علامت تھی۔ یہی علامت تانبے کو تانبے

کے نمک سے جدا کرتی ہے۔

دوسرے روز اس بچی میں ساری علامتیں تانبے کی تھیں چہرہ نیلا۔ ہونٹ نیلے، تشنجی دورے۔ دوروں کے دوران کاٹ لینا۔ آنکھیں چڑھا لینا۔ زبان سانپ کی طرح بار بار نکالنا، گلوکوز کا نسوں کے ذریعہ اوپر نہ چڑھنا وغیرہ
ساری علامتیں واضح تھیں۔ سارے رنگ واضح تھے۔ کاش اس کے والد نے بچی کو اسپتال میں داخل کرانے کے بعد مجھ سے رابطہ رکھا ہوتا۔

یہاں ہم نے ہیضہ کی دو بڑی دواؤں کا تذکرہ کیا۔ اب تیسری اور چوتھی دوا کے متعلق بھی بتانا ضروری ہو گیا ہے۔ تیسری دوا ہے ایتھوزا۔ یہ ایک جنگلی درخت کا پتہ ہے جس میں گرم مسالحوں کی سی تیز اور چرپری خوشبو آتی ہے لیکن یہ زہریلا ہوتا ہے ہر زہر ہومیوپیتھی کی بڑی دوا ہے۔ یہ چھوٹے ننھے بچے کے ہیضے کی اہم دوا ہے یہاں بھی علامتیں شدت سے نازل ہوتی ہیں۔ بچہ بہت بے چین ہوتا ہے۔ چیختا چلاتا ہے اور جو دودھ پیتا ہے سب الٹ دیتا ہے۔ پھر نڈھال ہو کر سو جاتا ہے۔ سو کر جاگتا ہے تو پھر دودھ کے لئے روتا ہے۔ لیکن دودھ پینے کے تھوڑی دیر بعد پھر الٹی کر دیتا ہے۔

بھائی نے لطیفہ سنایا اور بہن کے گلے میں سپاری پھنس گئی

ایتھوزا کی علامتیں معالجوں کو حیرت میں ڈال دیں گی۔ ننھا شیر خوار بچہ دودھ تو پیٹ بھر کے پیتا ہے۔ بھوک اور تکلیف کی وجہ سے چیخ مار کر روتا ہے۔ بہت بے چین بھی ہوتا ہے۔ لیکن دودھ پینے کے تھوڑی دیر بعد الٹی کر دیتا ہے۔ دودھ بالکل ہضم نہیں ہوتا ہے۔ اور قے اور اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ قے ترش بو والی ہوتی

ہے۔ یہی علامتیں عموماً موسم گرما میں ملتی ہیں۔ دودھ پیتے ننھے بچے کا ہیضہ۔ بچہ یا تو دودھ پینے کے بعد فوراً قے کر دیتا ہے۔ یا کچھ دیر بعد کرتا ہے۔ دودھ سخت پھٹکیوں کی شکل میں اور ترش بو والا ہوتا ہے۔ اس کو سادہ دودھ کی بدہضمی اور ڈائیریا کی علامتیں شدت اختیار کر لیتی ہیں۔ ڈاکٹر اسے دودھ کی الرجی سے تعبیر کرتے ہیں اور ننھے بچے کا دودھ بند کروا دیتے ہیں۔ لیکن میرے معالج دوستوں اگر آپ کو اس ایتھوزا کا علم ہے تو ان ننھے بچوں کو جو ہیضہ طفلی میں گرفتار ہو گئے ہیں اس دوا سے بچا سکتے ہیں۔ ایک ہی خوراک سے۔

اسے ایک بار دھیان سے سن لیں کیونکہ یہی اس دوا کی خالص پہچان ہے جو اسے دوسروں سے ملتی جلتی دواؤں سے الگ کرتی ہے۔ یعنی یہ کہ بچہ بہت زیادہ دودھ پی لیتا ہے اور فوراً یا کچھ دیر بعد بڑی تکلیف کے ساتھ قے کرتا ہے اور قے کے بعد نڈھال ہو کر غنودگی میں چلا جاتا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سو رہا ہے مگر کچھ دیر کے بعد وہ جاگتا ہے اور پھر پیٹ بھر کر دودھ پیتا ہے اور پھر قے کر دیتا ہے۔ یہی عمل چلتا رہتا ہے۔ اور دو تین دن کے اندر یہ ننھا شیر خوار بچہ ختم ہو جاتا ہے۔
اس بچے کو ایلوپیتھک علاج بچا نہیں سکتا۔ اس بچے کو اگر کوئی بچا سکتا ہے تو یہی ہومیوپیتھک دوا بچا سکتی ہے۔ یہ خدا کا قانون ہے۔ خدا کے قانون پر مبنی علاج ہے آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے اسپتال کھولے جائیں جہاں پر اس قانون کے مطابق علاج ہو۔
ایتھوزا کے بچے کو قے کے ساتھ پتلے اور سبزی مائل لیسدار پاخانے ہوتے ہیں اس کو پیاس قطعاً نہیں ہوتی، لیکن بے چینی اور نقاہت آرسنک کی مانند ہوتی ہے

اس کو تشنج بھی ہوتا ہے اور تشنج میں وہ آنکھوں کو نیچے کی طرف گھماتا ہے جبکہ کیوپرم کا بچہ اوپر کی طرف گھماتا ہے۔ کیوپرم میں بچے کے ہونٹ نیلے پڑ جاتے ہیں اور ایتھوزا میں بچے کی ناک کے گرد سفید لکیر پڑ جاتی ہے۔

ہیضہ کی چوتھی دوا ویراٹرم ہے۔ یونانی اطباء ایک عرصے تک اس دوا سے پاگلوں کا علاج کرتے رہے واقعی یہ پاگل بنا دینے والی دوا ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر پاگل اس دوا سے ٹھیک ہو جائے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہومیوپیتھی کی صرف اس ایک دوا سے دنیا بھر کے آدھے پاگل خانے بند کئے جا سکتے ہیں۔ شرط یہی ہے کہ ایسے معالج چاہیئے کہ جن کے سینے اس علم یعنی خدا کے قانون سے روشن ہیں اور یہ علم یہ فن سینہ بہ سینہ چلا آرہا ہے۔ اُسے آپ طب کی چند کتابوں میں محدود کر کے نہیں رکھ سکتے۔ یہ طب کی نام نہاد یونیورسیٹیوں کی میراث نہیں ہے۔ کیونکہ یہ فن ہر اس شخص پر عیاں ہو جاتا ہے جس کو خدا ہدایت دیتا ہے۔

خود ڈاکٹر ہانی من کو اس کے اشارے غیب کے پردوں سے ملے تھے۔ ڈاکٹر ہانی مین کے شاگردوں اور پھر ان کے شاگردوں کے شاگردوں سے ہوتا ہوا سینہ بہ سینہ یہ فن دنیا کے بیشتر ممالک میں پھیل گیا۔ آج جو ملک اس کی روشنی سے ناواقف ہیں وہاں کے عوام بڑے بدقسمت ہیں۔

ڈاکٹر ہانی من کے بتائے ہوئے راستے روشن ہیں ان راستوں کو ہر اس معالج نے مزید روشن کیا جس پر دیوانگی سوار ہوئی۔ ہومیوپیتھ بننے کے لئے دیوانگی شرط ہے۔ تب ہی تو آپ اس پاگل دنیا کے پاگل انسانوں کا علاج کر پائیں گے۔

ویراٹرم ہیضے کی دوا ہے اور ویراٹرم آپریشن کے بعد یا آپریشن کے دوران پیدا ہونے

والے شاک کی بھی دوا ہے۔ ویراٹرم البم آرسنک البم کی طرح ہے۔ ان دونوں کی علامتیں آپس میں ملتی جلتی ہیں لیکن دونوں میں فرق بھی ہے اور واضح فرق ہے۔

آرسنک کی مانند اس میں پیاس ہوتی ہے اور اخراجات بڑی مقدار میں ہوتے ہیں۔ نقاہت اور لاغری بھی آرسنک کی طرح ہے۔ لیکن یہاں اس کی خاص علامت جو اس کو آرسنک سے جدا کرتی ہے وہ ہے ماتھے پر سرد پسینہ، ہاتھ اور بازو برف کی طرح سرد اور اس کے علاوہ دیگر تمام جسم کم و بیش سرد۔ برف کی طرح جسم سرد کیمفر یعنی کافور میں بھی پایا جاتا ہے اور کافور بھی ہیضے کی بڑی اہم دوا ہے۔

ڈاکٹر ہانی من نے بڑوں کے ہیضے کی جن چار دواؤں کا تذکرہ کیا تھا ان میں کیمفر بھی تھی۔ لیکن کیمفر میں ماتھے کا پسینہ نہیں تھا اور نہ ہی بڑی مقدار میں اخراجات پائے جاتے ہیں۔

ہیضہ میں خاص بات یہ ہے کہ مریض بڑی مقدار میں سرد پانی بہتا ہے اور اسے بہت بڑی قے آتی ہے اور پاخانہ دستوں کی شکل میں بہت بڑی مقدار میں سفید رنگ کے چاولوں کے بیچ کی مانند آتا ہے۔ دست سے پہلے پیٹ میں شدید درد اور پاخانے کے بعد شدید نقاہت اور کمزوری ویراٹرم میں بھی ہے اور ایسے ہی پاخانے ہوتے ہیں۔ مریض کے ماتھے پر سرد پسینہ اور جسم سرد ہوتا ہے۔

ماتھے پر سرد پسینہ اور عام جسم کے سرد ہونے کی علامات ہیضہ کے علاوہ نمونیہ، دمہ، تپ محرقہ (ٹائیفائیڈ) اور دانوں کے دب جانے میں بھی پائی جاتی ہے۔ دانوں کے دب جانے سے چھوٹے بچوں کو برانکیولائٹس ہو جاتا ہے۔ اکثر ننھے بچے اسی وجہ سے فوت ہو جاتے ہیں معمولی خسرہ بخار کے دانے اگر غلط طرح سے دبا دیئے جائیں تو بچوں کو یا تو نمونیہ

پرانیکولائیٹس ہوجاتا ہے یا مینجائٹس یا انیکیفلائٹس یہ وہ امراض ہیں کہ جہاں پر انگریزی علاج اکثر ناکام ثابت ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جو بھی شے بنائی ہے اس کی روحانی شکل پہلے بنائی ہے مطلب ویریٹرم کا کائناتی وجود ویریٹرم کے مادّی وجود سے بہت پہلے سے موجود ہے۔ انگریزی علاج کے مادہ پرست معالجوں کو یہ فلسفہ خاک نہیں سمجھ میں آئے گا۔

ایک کیس نہ جانے کیوں اس وقت یاد آرہا ہے۔ غالباً ویریٹرم کا کائناتی وجود ہی تھا۔ کئی برس ہوگئے۔ ان دنوں میں ایک سرجن کی حیثیت سے ایک بڑے اسپتال سے منسلک تھا اس روز میری ایمرجنسی ڈیوٹی تھی۔ صبح O.P.D. میں ایک سترہ۔ اٹھارہ سالہ دوشیزہ آئی اس کے گلے میں سپاری کا ٹکڑا پھنس گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کو کھانسی ہوتی تھی۔ ٹکڑا سانس کی نلی میں گلے کے نیچے پھنسا تھا۔ کھانسی کے علاوہ اسے دوسری تکلیف نہ تھی۔ کھانے پینے میں بھی اسے کوئی دشواری نہ تھی۔

سپاری کا ٹکڑا اس کے گلے میں اسطرح پھنسا تھا کہ جب وہ سپاری چبا رہی تھی اسی وقت بھائی نے اُسے ایک لطیفہ سنایا جس سے اس کو ہنسی آگئی اور ہنسی کے دوران وہ سپاری اس کے حلق سے ہوتی ہوئی سانس کی نلی میں پھنس گئی۔

پہلے تو خیال آیا کہ اس کو بزرگوں کا بتایا ہوا نسخہ بتا دوں کہ محترمہ مُرغا بن جائیے اور زور زور سے کھانسیے تاکہ کھانس کھانس کر آپ ٹکڑے کو باہر نکال دیں۔ لیکن یہ تو دقیانوسی علاج ہوتا۔ اور پھر ہم ان دنوں کوئی مشہور ڈاکٹر تو تھے نہیں کہ وہ ہم سے علاج کروانے آئی تھی وہ تو اسپتال کے کسی بڑے ڈاکٹر سے اپنا علاج کروانا چاہتی تھی۔ لہٰذا ہم نے اس کو بڑے ڈاکٹر کی نگرانی میں اسپتال میں داخل کر دیا اور اسی روز دوپہر میں اس ڈاکٹر نے اس کا آپریشن

کیا اور ٹکڑا نکالنا چاہا۔ لیکن آپریشن کے دوران اس کی نبض ڈوبنے لگی۔ لہٰذا درمیان میں ہی آپریشن بند کرنا پڑا۔ اور اس کو اس کے وارڈ میں منتقل کر دیا گیا۔

وارڈ میں پہنچ کر اس کی حالت اور بھی زیادہ خراب ہوگئی اسے دمکشی کے دورے پڑنے لگے اور وہ نزع کے عالم میں پہنچ گئی۔ نرس نے ایمرجنسی کال بھیجی اور یوں اس طرح اسی روز شام اس کو دوبارہ دیکھا وہ اپنے بستر پر موت سے نبرد آزما تھی صبح جو ہنستی بولتی چہچہاتی اسپتال میں داخل ہوئی تھی۔ شام کو اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہی تھی — بہت ہی زیادہ ہنگامی صورت حال تھی، ایک ایک سانس لینے کے لئے اس کو بہت جدوجہد کرنی پڑ رہی تھی۔ اس کی نبض ڈوبتی ہوئی بہت تیز بھاگ رہی تھی۔ اور اتنی ہی تیزی سے موت اسکے قریب آرہی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ موت سے لڑنے کے لئے اپنے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ وہ مرنا نہیں چاہتی تھی لیکن موت کے شکنجے میں پوری طرح سے جکڑی ہوئی تھی۔

میں نے فوراً ایمرجنسی کے سارے احکام کر ڈالے۔ اس کی حالت کو بحال کرنے کے لئے اس کو موت کے شکنجے سے نکالنے کے لئے مشینوں سے کام لیا۔ ہر ممکن طریقے سے اور مشینوں نیز انجکشن دواؤں سے اس کو بچانے کی کوشش میں اپنے آپکو بھول گیا تھا۔ میں ہر قیمت میں اس کو بچانا چاہتا تھا لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ آخر کار اس نے دَم توڑ دیا۔

بڑے بڑے قیمتی انجکشن اور بڑی بڑی مشینیں اس کی اکھڑی سانسوں کو بحال نہ کر سکیں۔ یہ میری ناکامی نہیں تھی۔ بلکہ بڑی بڑی مشینوں کی ناکامی تھی۔ جدید ایلوپیتھک علاج کی ناکامی تھی۔

یوں اسطرح اگر مریض اسپتال میں مرجائے تو پولیس اس کی لاش کو اپنی تحویل میں لے لیتی ہے اور پھر موت کا اصل سبب جاننے کے لئے پوسٹ مارٹم ضروری ہوتا ہے

لہٰذا اس دوشیزہ کی لاش کو سرکاری مردہ خانہ بھیج دیا گیا۔ کوئی بھی والدین یہ نہیں چاہتے کہ پوسٹ مارٹم ہو۔ لیکن اس سے بچنا ان کے بس میں نہیں ہوتا۔ کورنر یعنی پولیس سرجن نے پوسٹ مارٹم کا حکم دے دیا۔

اب اس کے رشتہ داروں کے لئے یہ دوسری مصیبت تھی کہ پوسٹ مارٹم ہو۔ کافی تگ ودو کے بعد پوسٹ مارٹم رکا۔ کورنر کورٹ اس بات پر راضی ہوئی کہ اس ڈاکٹر کو بلوایا جائے جو مریضہ کی موت کے وقت موجود تھا۔ لہٰذا ہماری پیشی ہوئی۔ وہ بہت زیادہ سرد رات تھی۔ میں چاہتا تو نہ جاتا لیکن اس صورت میں اس کا پوسٹ مارٹم ہوجاتا اس کے جنازے کی چیر پھاڑ ہوتی۔

کورنر کورٹ نے مجھ سے بڑی پوچھ گچھ کی اور اس بات پر راضی ہوئی کہ اس کا پوسٹ مارٹم نہ کیا جائے اور جنازے کو اس کے والدین کے حوالے کیا جائے۔ لوٹتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ اس کے والدین و عزیز و اقارب سب بڑے خوش تھے کیونکہ بغیر پوسٹ مارٹم کے جنازہ ان کو مل گیا تھا۔ اس خوشی میں وہ اپنی بیٹی کی موت کا غم بھول گئے تھے۔

لوٹتے ہوئے اس کے رشتہ داروں میں سے کسی نے بتایا کہ اور جس کو سن کر یوں لگا کہ جیسے خدا سے بغاوت کردوں اس کی بڑی بہن کچھ عرصہ پہلے اسی طرح آپریشن ٹیبل پر مرگئی تھی۔ آپریشن کے دوران بالکل اسی طرح اس کی بھی آخری سانس اٹکنے لگی تھی اور وہ اسی طرح شاک میں چلی گئی تھی اسی طرح ڈاکٹروں کی تمام کوششیں اس کو بچانے میں

ناکام ہوگئی تھیں۔

اس کی موت کے وقت شاک کی حالت میں جو علامتیں اس میں تھیں وہ تمام کی تمام ویریٹرم کی تھیں۔ ویریٹرم اسکو بچا سکتی تھی۔ لیکن ان دنوں میں ہومیوپیتھی کی الف، ب تک سے ناواقف تھا۔ آج جب بھی ویریٹرم کی علامتوں پر غور کرتا ہوں تو مجھے اس دوشیزہ کا چہرہ یاد آجاتا ہے۔

ماتھے پر پسینہ اور تمام جسم سرد!

ویریٹرم اگر کائنات میں موجود نہ ہوتا تو ویریٹرم کی طرح علامتوں کا وجود بھی نہ ہوتا۔ چونکہ ویریٹرم پہلے سے موجود ہے۔ اسی لئے کوئی مادّی شئے یعنی ہیضہ یا آپریشن کے بعد کی پیچیدگی ویریٹرم کی علامتیں پیدا کرسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کی دوا بنائی ہے مطلب یہ کہ دوا پہلے بن چکی ہے اس مرض کے لئے جس کا وجود اس وقت نہیں تھا کہ جب دوا بنائی گئی۔

یہ دنیا اپنی شکل میں آنے سے پہلے خود روحانی وجود میں تھی۔ سائنس داں یہ کہتے ہیں کہ پہلے کچھ نہ تھا۔ کہیں سے ایک ہائیڈروجن کا ایٹم آگیا اور اس ایٹم میں دھماکہ ہوگیا اور دھماکے کے ساتھ ہائیڈروجن کے ایٹم ہی ایٹم بن گئے اور ایک کہرسا چھا گیا اور پھر آگ پیدا ہوگئی (یاد رہے کہ ہائیڈروجن گیس اپنے آپ آگ پیدا کرسکتی ہے سورج جو برسہا برس سے آگ کی طرح جل رہا ہے اس میں ہائیڈروجن گیس ہی ہے۔

اس طرح جلنے سے آکسیجن گیس پیدا ہوتی ہے۔ اور ہزاروں لاکھوں گنا زیادہ درجۂ حرارت پر وہ اس ہائیڈروجن سے مل گئی۔ اور پانی بن گیا۔ پانی کا کیمیائی فارمولا H_2O ہے۔ یعنی اس میں ہائیڈروجن اور آکسیجن دو گیسوں کی آمیزش ہے۔ آکسیجن کے بغیر

آگ کا وجود ممکن نہیں۔ اور ہائیڈروجن آگ پیدا کرتی ہے۔ لیکن جب دونوں آپس میں مل جاتی ہیں تو پانی بن جاتی ہیں اور پانی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

یہ سب اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔ وہ بہت بڑا حکیم ہے۔ اس کے بغیر کسی بھی شے کا وجود ممکن نہیں۔ پہلے وہ ہے اور بعد میں سب کچھ ہے۔ ہومیوپیتھی کا بنیادی قانون بس یہی ہے کہ پہلے خدا ہے بعد میں ساری کائنات ہے۔

کسی بھی عنصر کو اگر دوبارہ ایٹم میں تبدیل کر دیا جائے تو اس کی طاقت کروڑوں گنا بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ اپنی مادی حیثیت یعنی (Physical State) سے روحانی حیثیت یعنی Dynamic state میں تبدیل ہو جاتا ہے جسم یعنی مادہ فنا ہو جاتا ہے اور اس کی روح کائنات کے دبیز پردوں میں روپوش ہو جاتی ہے۔

ہومیوپیتھک دواؤں کے مدر ٹنکچر اپنی مادی حیثیت میں ہوتے ہیں مگر انھیں، دواؤں کو جب ایٹامک قوت میں (Potency) تبدیل کر دیا جاتا ہے تب یہ اپنی روحانی شکل میں ہوتی ہیں اور روح نہ تو دیکھی جا سکتی ہے اور نہ ہی کسی ٹیسٹ کے ذریعہ دکھائی جا سکتی ہے۔ ہاں البتہ اس کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے آپ کے ذہن کی پرواز کو کائناتی سطح تک آنا ہوگا۔ اگر آپ کی سوچ مادی سطح سے اوپر نہیں اٹھ سکتی تب آپ کے لئے بے معنی ہے۔

ڈاکٹروں کے دواخانوں کے بند ہوتے ہی گھبراہٹ شروع!

یہ بڑا عجیب کیس تھا لیکن بالکل واضح۔ صاف علامتیں تھیں لیکن پھر بھی میں سمجھ نہ سکا۔ وہ ایک نوجوان تھا۔ ایک دوسرے شہر سے ایک ڈاکٹر کو ساتھ لے کر بمبئی پہنچا تھا۔ دُبلا پتلا، سانولی رنگت کا یہ نوجوان بڑا گھبرایا ہوا تھا۔ وہ اپنے ساتھ ڈاکٹر صرف اسی غرض سے لے کر آیا تھا کہ کہیں راستے میں اس کو کچھ ہو گیا تو — کیونکہ اس کو پورا یقین تھا کہ وہ مر جائے گا۔ اس کا مرض عجیب و غریب تھا۔ اس کو اپنی موت کا دھڑکا لگا رہتا جب تک اس کے آس پاس ڈاکٹروں کے مطب کھلے رہتے وہ ٹھیک ٹھاک رہتا لیکن مطب کے بند ہوتے ہی اس پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ اگر اس دوران اس پر دل کا دورہ پڑا تو اُسے کون بچائے گا۔ دوائیں کون لائے گا۔ دواؤں کی دکان بند ہونے کے اوقات پر بھی اس کو گھبراہٹ ہوتی تھی۔

وہ ایک سرکاری ملازم تھا اس لئے مزے میں تھا۔ ڈاکٹروں کی فیس، دواؤں کے بل سب کچھ اُسے سرکار سے مل جاتے تھے۔ اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ کسی سرکاری اسپتال میں مُستقل رہائش اختیار کر لیتا۔

موت کا خوف اس پر کیوں طاری ہوا تھا۔ وہ یہ سمجھ نہیں سکتا تھا اسے ہر کام کی جلدی ہوتی تھی، اس کو میٹھا بہت مرغوب تھا۔ لیکن میٹھا کھانے کے بعد اس کا ہاضمہ خراب ہو جاتا تھا۔ اس کو زور زور سے ڈکاریں آتی تھیں۔ ڈکاروں سے پہلے اس کو یہ احساس ہوتا تھا کہ اب دم نکل جائے گا، کیونکہ گیس اس کے سر پر چڑھ جاتی تھی اس کی ہر طرح کی جانچ ہو چکی تھی۔ لیکن مرض کی کوئی خاطر خواہ وجہ نہ معلوم ہو سکی تھی۔

اس کے ساتھ آنے والا ڈاکٹر چونکہ ہومیوپیتھی کا سند یافتہ ڈاکٹر تھا۔ اس لئے میں نے علامتوں کی جانچ پڑتال اور اس کے بعد تشخیص کے باریک فرق پر تبادلۂ خیال کیا۔ میرے خیال میں وہ کیس تین دواؤں میں سے ایک دوا کا تھا۔

یہ تین دوائیں ہیں آرسنک، فاسفورس اور ارجنٹم نائیٹریکم۔

ابھی کچھ ہو جائے گا۔ موت ہو جائے گی۔ وہ دُبلا پتلا بھی تھا اور اس کی رنگت سانولی بھی تھی۔ لیکن چہرے سے تشویش اور بے چینی تھی وہ ہر لمحہ پہلو بدلتا تھا۔ کبھی وہ مجھ کو فاسفورس لگتا۔ اور کبھی آرسنک۔ لیکن جب زور سے ڈکاریں لیتا تھا اس سے یہ گمان ہوتا کہ وہ ارجنٹم نائیٹریکم ہے۔ یعنی چاندی۔ چاندی اکثر ان لوگوں کی دوا ہے جو لمبے، دُبلے پتلے مگر چڑچڑے ہوتے ہیں

آرم مٹیلکم یعنی سونا خواہش پر اثر ڈالتا ہے اور اس کا مریض چاہتا ہے کہ خودکشی کرے لیکن چاندی سمجھ بوجھ پر اثر ڈالتی ہے اور مریض اعصابی علامات میں مبتلا ہو جاتا ہے اس کو وقت آہستہ آہستہ گذرتا ہوا محسوس ہوتا ہے لہذا اس کو ہر کام کی جلدی رہتی ہے۔ وہ ہر کام تیزی سے کرنا چاہتا ہے۔ میٹھا کھانے کی اس کو بہت زیادہ خواہش ہوتی ہے۔ لیکن میٹھا کھانے سے اس کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ وہ بلند بانگ ڈکاریں لیتا ہے۔

لیکن اس پر موت کا خوف اس طرح طاری تھا کہ اس کو کسی پہلو آرام نہ تھا۔ ڈاکٹروں کے دوا خانوں کے بند ہوتے ہی اس پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی تھی۔ اس پر موت کا خوف طاری ہو جاتا تھا اس کو یہ لگتا تھا کہ اب وہ مر جائے گا۔ موت کا خوف اکیلے جانے کا خوف، سانولی رنگت، دُبلا پتلا اور قد بڑا۔ لہذا میں نے اس کو فاسفورس ہی تجویز کی

لیکن مریض فاسفورس سے ٹھیک نہیں ہوا مطلب یہ کہ میری تشخیص غلط تھی وہ مریض اسی طرح پریشان تھا۔ اس پر موت کا خوف اور بے چینی اسی طرح طاری ہوتی تھی وہ گھڑی دیکھتے ہی بیمار پڑ جاتا تھا۔ مطلب یہ کہ بیماری کی شدت اس کی اپنی تکلیفوں سے نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ گھڑی دیکھ کر ہوتی تھی۔ اس کی سمجھ بیمار تھی نہ کہ وہ خود بیمار تھا۔

کہ اب 9 بج چکے ہیں۔ ڈاکٹروں کے مطب بند ہو چکے ہونگے اور اب مجھ پر موت نے حملہ کر دیا تو اس خیال سے ہی وہ بیمار پڑتا تھا۔ اس پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی تھی اور وہ بے چین ہو جاتا تھا۔ اس نے دو ایک بار فون پر رابطہ قائم کیا لیکن خود وہ نہیں آیا۔

وہ فاسفورس نہیں تھا اور نہ ہی آرسنک تھا۔ کیونکہ آرسنک کی طرح اس میں نقاہت نہیں تھی اور نہ ہی پیاس تھی۔ البتہ وہ چاندی تھا۔ ارجنٹم نائٹریکم۔

اب میں ایسے مریض کا تذکرہ کروں گا جو بہت ہی مشہور شخص تھا۔ میں تو اس شخص کو بہت پہلے سے جانتا تھا۔ لیکن ایک معالج کی حیثیت سے اس وقت جانا جب وہ کئی دنوں سے بخار کے مرض میں مبتلا تھا۔ اس کا علاج بڑے بڑے ڈاکٹروں نے کیا تھا اور بڑے بڑے قیمتی اسپتالوں میں اس کو داخل کیا تھا۔ ہر طرح کے ٹسٹ اور جانچ کی گئی تھی۔ لیکن وہ ٹھیک نہ ہوا۔ اس کا بخار نہ اُترا۔ وہ بڑا نام والا شخص تھا اس نے اس بڑے اسپتال اور بڑے ڈاکٹروں کے نسخوں پر لات ماری اور اسپتال سے اپنے گھر آ گیا۔ اس کا بخار بڑا جان لیوا تھا۔ اس بخار نے اس کو بالکل لاغر کر دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس میں زندگی کا جوش تھا۔ بات کرتے کرتے جوش میں آ جاتا تھا۔

تھوڑی دیر کے لئے لگتا گویا اس کی بیماری رفع ہو گئی ہے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد پھر اس پر نقاہت طاری ہو جاتی۔

میں نے جب اس کا کیس لیا تو پہلا جملہ اس نے یہی کہا تھا کہ کہیں "مجھ کو کینسر تو نہیں ہو گیا ہے؟" اس کی عمر ساٹھ پینسٹھ کے قریب تھی۔ اس کی تمام رپورٹوں میں ایک رپورٹ یہ بتاتی تھی کہ اس کے دائیں گردے کے پاس ایک گلٹی نما گانٹھ ہے۔ لہٰذا بخار کا نہ اُترنا، سردی کھانسی کا بار بار ہونا۔ اور پیٹ کے ایکسرے میں گلٹی سی کسی شے کا وجود یہ کافی تھا کہ اس کا علاج ٹی۔ بی کے مریض کی حیثیت سے کیا جاتا۔ وہ ڈاکٹر اسے بڑے بڑے اینٹی بائیٹک کے ساتھ ٹی۔ بی کا کورس بھی دے رہے تھے۔ لیکن ٹی۔ بی کے علاج سے اُسے خاطر خواہ افاقہ نہیں ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ناراض ہو کر اس اسپتال سے ڈسچارج ہو کر اپنے گھر چلا آیا تھا۔

اُسے بخار کئی دنوں سے آتا تھا۔ بخار کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی کہ برسات کے موسم میں دریا کے کنارے سیر کرتے ہوئے وہ بھیگ گیا تھا۔ برسات میں بھیگنے کے لئے ہی دریا کے کنارے تفریح کرتا تھا۔ طوفانی دریا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔

بخار کو ہوئے ایک ماہ سے زیادہ ہو چکا تھا۔ بخار لرزہ دے کر آتا تھا۔ اور ساتھ میں چپچپاتا پسینہ بھی آتا تھا۔ بخار کی وجہ سے بہت زیادہ نقاہت اور کمزوری بھی ہو چکی تھی۔ اس کا سینہ بلغم سے بھرا تھا مزاج میں حد سے زیادہ چڑچڑاہٹ۔ بخار رات کو تیز ہوتا تھا اور ساتھ میں اعصابی درد اور کھانسی بھی تھی، بالکل دق کے مریض کی طرح۔ کمزوری بھی ہو گئی تھی۔ بلغم بھی بھرا تھا۔ کھانستے کھانستے اس پر دمے کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اس میں بے چینی تھی اور نقاہت بھی۔ غصہ بھی اور اداسی بھی۔

اور اس کے ساتھ سر پر بھاری وزن کا احساس رہتا تھا۔ ابتداء میں سر درد اور سردی، کھانسی کے ساتھ اُسے بخار ہوا تھا۔ پہلے فیملی ڈاکٹر نے فلو مان کر علاج کیا تھا۔ پھر ناک کان اور گلے کے ماہر نے علاج کیا۔ وہ اُسے سائی نس کا بخار سمجھا۔ کسی نے ملیریا مان کر علاج کیا۔ لیکن جب اس طرح بھی بخار ٹھیک نہ ہوا تو سینے کے ماہر نے علاج کیا اور دنیا بھر کے ٹسٹ کروا لئے۔ سینے کے ماہر کے مطابق وہ ٹی۔ بی کا بخار تھا۔ مطلب یہ کہ ہر شخص نے اپنی مہارت کا ثبوت دیا۔ اس طرح کئی معالج مل کر اس کا علاج کرتے رہے۔ مگر نتیجہ صفر۔ مہینوں ہو گئے لیکن بخار نہ اترا۔

بہرکیف علامتوں کے مطابق جب ہم نے اس کا علاج کیا تو وہ ہم کو بگڑا ہوا ملیریا لگا ملیریا جب بگڑ جاتا ہے تو اس کے زہر سے پیدا ہونے والی خرابی سل اور دق وغیرہ کی سی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ اس مریض کی جملہ علامتوں میں نمایاں ترین علامت انتہائی کمزوری اور نقاہت تھی اسی مناسبت سے ہم نے اسے چینی نم آرس، تجویز کی۔

یہ دوا چائنا اور آرسنک کا مرکب ہے۔ یہ دوا زیادہ تر ڈفتھیریا۔ خبیث مہس۔ خبیث تپ سرخ۔ ملیریائی بخاروں اور دیگر قسم کی بیماریوں میں جہاں کہیں بھی ملیریا کا زہر خون میں کمی پیدا کرے اور مریض دمہ، پرانے سل، اسہال، جلندھر، جگر اور تلی کے عوارض میں مبتلا ہو گیا ہو۔ خون کے ماہر ڈاکٹروں نے جس کو خون کا کینسر بتا دیا ہو ایسے تمام مریضوں میں سے اکثر میں اس دوا کی علامتیں ملیں گی اور وہ اس سے ٹھیک بھی ہو جائیں گے۔

ملیریا ہر طرح کے بخار کی ماں ہے۔ ایلوپیتھک ڈاکٹر محض کونین اس کا علاج سمجھتے ہیں پر اب اکثر یہ ملیریا کونین سے ٹھیک نہیں ہوتا۔ کونین کو ہومیوپیتھی میں چنکونا یا

چائنا کہتے ہیں۔

جنوبی امریکا کے ایک شہر پیرو کی ایک رانی کے نام سے یہ دوا جانی جاتی ہے۔ پیرو کی رانی ایل سنکون، بڑی رحم دل خاتون تھی۔ پیرو کے علاقوں میں پائی جانے والی ایک درخت کی چھال فصلی بخاروں یعنی ملیریا کے لئے بڑی زود اثر دوا ثابت ہوئی تھی۔ لہذا اس نیک دل رانی نے انسانی ہمدردی کے تحت عیسائی راہبوں اور پادریوں کے ذریعہ اس درخت کی چھال کو دور دراز کے علاقوں میں بھیجا تاکہ انسانی آبادی کے دکھوں کا مداوا ہو سکے۔ اس طرح اس رانی کے نام کی مناسبت سے اس درخت کی چھال کو سنکونا کہا گیا اور سنکونا سے سنکون اور پھر کونین ہو گیا۔ جہاں عیسائی پادری انسانی ہمدردی کے تحت بیماروں کا علاج کرتے تھے۔ وہیں انگریز بنیوں کے لئے یہ کونین الہ دین کا چراغ ثابت ہوئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندستان میں تجارت کرنے کا پروانہ مل گیا۔ اطلاعاً یہ عرض کر دوں کہ سر تھامس رو جب ہندستان آیا تھا تو اس فرنگی تاجر کے ساتھ جو ڈاکٹر تھے انھوں نے شہنشاہ جہانگیر کے ملیریا بخار کا علاج اسی کونین سے کیا تھا کیونکہ شاہی حکیم بادشاہ کا بخار ٹھیک کرنے میں ناکام ہو چکے تھے۔ شاہ نے خوش ہو کر انگریزوں سے کہا تھا کہ مانگ لو جو مانگتا ہے۔ اور انگریزوں نے ہندستان میں تجارت کرنے کی اجازت مانگ لی۔

آج بھی امریکی دوا کے تاجروں نے آدھی سے زیادہ دنیا کی معاشیات کو اپنے شکنجے میں لے رکھا ہے۔ ساؤتھ افریقہ اور سینٹرل افریقہ میں اگر آپ کو ملیریا ہوتا ہے تو سمجھئے وہاں کے کئی لاکھ روپوں کے زر مبادلہ سے آپ اس کونین کے انجکشن دستیاب کر سکیں گے۔ بہرکیف چائنا آرس کی چند خوراکوں سے ہی وہ بالکل صحت یاب ہونا شروع ہو گیا

اور کچھ دنوں بعد بالکل چست ہو گیا۔

وہ بڑا خوش تھا اب تک ہومیو پیتھی کو وہ فقیری نسخے سے تعبیر کیا کرتا تھا۔ پر اب اس کا قائل ہو گیا تھا۔ ہومیو پیتھی سے کہیں زیادہ قائل وہ ہمارا ہو گیا تھا۔ حالانکہ خود میں اس کا مداح تھا اس کی تحریروں کا مداح تھا اس کی تقریروں کا مداح تھا کچھ دنوں بعد میں اس کی خبر گیری کے لئے اس کے گھر گیا۔ وہ ہر طرح سے ٹھیک ٹھاک تھا اور اپنے آفس جانے لگا تھا۔ میں بڑا خوش تھا لیکن ایک چیز مجھے کھٹک رہی تھی کیونکہ جب بھی کوئی شدید اور بڑی پیچیدہ بیماری قابو میں آتی ہے تو وہ بیماری جاتے جاتے کوئی نشان چھوڑ کر ضرور جاتی ہے۔ بغیر تحریک کے مکمل شفا ممکن نہیں ہے۔ بیماری بھی ایک طاقت ہے۔ اور بیماری کی طاقت کو دبانا شفا نہیں ہے بلکہ ایک راستہ بتا کر جسم سے نکالنا ضروری ہے۔

اس لئے میں اور کیا؟ کیا پوچھتا! اور اس کے جواب میں وہ کہتا بھئی ڈاکٹر صاحب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اس کا بات کرنے کا انداز بھی نرالا تھا۔ یا تو وہ باتیں ہی باتیں کرتا تھا یا ایکدم سے خاموش ہو کر مراقبے میں چلا جاتا تھا۔ گویا اس نے آپکی کوئی بات سنی ہی نہ ہو۔ اس کے بات کرنے کے لہجے میں جوش ہوتا تھا۔ بچوں کا جوش، جو ذرا ذرا سی بات پر برامان جاتے ہیں۔ بعض اوقات وہ بالکل بچوں کی طرح ہو جاتا تھا۔ ضدی

میرے اور کیا؟ اور کیا؟ پوچھنے کے جواب میں وہ بولا۔ میں تو بالکل ٹھیک ہوں ہاں البتہ کچھ خارش، کھجلی اور وہ بھی ایسی جگہ پر ہو گئی ہے کہ بتانے میں شرم آتی ہے وہ اس کھجلی کے لئے ایک مرہم استعمال کیا کرتا تھا۔ جو کہ بہت بڑی نادانی تھی۔ لیکن میرے سمجھانے کے باوجود وہ کھجلی و خارش کے مرہم کے استعمال کو بند کرنے پر راضی نہ ہوا۔ وہ

کہتا تھا، ڈاکٹر صاحب یہ مرہم میری کھجلی کو آرام دیتا ہے اور آپ کہتے ہیں مرہم نہ لگاؤ۔ تو کیا میں سب کے سامنے بیٹھ کر کھجاؤں۔ ؟! یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا!

جو مریض اب سے کچھ دنوں پہلے اپنی زندگی سے مایوس تھا اب مجھ سے بحث کر رہا تھا لیکن میں کیا کر سکتا تھا، وہ بہت بڑا آدمی تھا۔ میں اس سے گذارش ہی کر سکتا تھا کہ حضرت آپ مرہم نہ لگائیں اور یہی آپ کے حق میں بہتر ہے۔ کیونکہ بیماری کے فاسد مادّوں کے اخراج کے لئے کوئی راستہ چاہیئے۔

لیکن اس کو ہومیوپیتھی کا یہ فلسفہ شیخ چلی کی بانگ لگا۔ اگر اس کے لئے میرے دل میں لحاظ یا عقیدت نہ ہوتی تو میں اُسے ڈانٹ ڈپٹ کر یہ باور کراتا کہ میاں اگر ہمارا علاج کرانا ہے تو مرہم لگانا چھوڑو۔ اور کھجلی برداشت کرو ورنہ تم ایسی الجھی ہوئی بیماری کی گرفت میں آجاؤ گے کہ اس سے بچنا محال ہو جائے گا۔

اور یہی میری غلطی تھی کہ میں اسے مرہم کے استعمال سے باز نہ رکھ سکا۔ پھر کئی دن ہوگئے وہ ٹھیک ٹھاک اپنے کاروبار میں مصروف ہوگیا اور نہ مجھے ہی خیال ہوا کہ اس کی خبر گیری کرتا۔ کچھ دنوں بعد وہ ایک روز کسی تکلیف میں رجوع ہوا۔ وہ میرے مطب آتا تو اس کے جاننے والے وہاں جمع ہو جاتے وہ اپنا نمبر اور اپنی لائین کا بڑا خیال رکھتا تھا وہ گھنٹوں مریضوں کی لائن میں بیٹھ کر اپنے نمبر کا انتظار کرتا۔ بعض اوقات کچھ مریضوں سے اس کی تکرار بھی ہو جاتی۔ کیونکہ وہ غصّہ کا بہت تیز تھا مگر اصولوں کا پابند تھا اب یہ ہوا کہ میں ہر تکلیف کے لئے کوئی دوا بتا دیا کرتا۔ کبھی فون پر بھی۔ وہ اس طرح کبھی نہیں آیا کہ جب اس کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ ہومیوپیتھ کو دراصل ایسے ہی مواقع کی تلاش رہتی ہے کہ جب وہ مریض کو اس کی دوا دینا چاہتا ہے۔

آپ حیرت میں پڑ جائیے کہ مریض کو اس کی دوا ؟

جی ہاں ہر شخص کی کوئی ایک دوا ہے اس کی مٹی کے مطابق، اس کے وجود کے مطابق وہ جو وہ ہے یعنی اس کا وجود۔ دراصل بیماریوں کا وجود بھی کائناتی سطح پر ہوتا ہے اس لئے وہ ہر اس وجود کو اثر انداز کر سکتی ہیں جو ان سے اثر انداز ہونے کا خوف رکھتا ہے۔ یہی خوف دراصل وائرس ہے۔ یہی انفیکشن ہے۔ انفیکشن کسی جراثیمی مخلوق سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ جراثیم تو بہت بعد میں آتے ہیں کہ جب بیماری اثر انداز ہو چکی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے وجود بیمار ہوتا ہے۔ اس بیمار وجود کا علاج ہی اصل مقصد ہے ہومیوپیتھی، کوئی شیخ چلی کا خواب نہیں ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے اس پوری کائنات اور اس کے خالق کو سمجھنا ضروری ہے۔ روح اور جسم کو سمجھنا ضروری ہے۔ ہمارے لئے یہ ٹسٹ و دیگر لغویات کوئی معنی نہیں رکھتی ہیں۔ ہم جو ایک خوراک کی بات کرتے ہیں دراصل وہ اس بیماری کے اصل فلسفے کی بات ہے۔ لیکن لوگ اپنی تکلیفوں کا مداوا پا لینے کا مطلب علاج سمجھتے ہیں۔ تکلیفوں کا مداوا ہومیوپیتھک دواؤں کے مدر ٹنکچر سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن بیماری کا مداوا کائناتی سطح پر ہوتا ہے۔ اس کے لئے دوا بھی روحانی شکل میں ہونا چاہیئے۔ جس شخص کا تذکرہ کر رہا ہوں وہ کینسر کا مریض نہیں تھا بلکہ خود کینسر تھا۔ کینسر آگ ہے اور آگ طوفانوں سے کھیلتی ہے۔ کیا کبھی آپ نے کینسر کے وجود کو دیکھا ہے ؟۔ دیکھا تو ہو گا مگر پہچانا نہیں ہو گا۔ کینسر کا وجود کینسر کے مریض سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کینسر کے مریض کو کینسر کا وجود نہ سمجھیں۔ کینسر کے مریض کی قوتِ حیات جواب دے چکی ہوتی ہے۔ اسی لئے کینسر اس پر حاوی ہو جاتا ہے جبکہ کینسر کا وجود حالانکہ کینسر کیلئے زرخیز زمین رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود کینسر اس

پر اثر انداز نہیں ہو پایا کیونکہ وہ کینسر کو اپنے جسم کے کسی کونے میں بند کر کے رکھ دیتا ہے ایسے شخص پر کینسر اسی وقت اثر انداز ہو سکتا ہے کہ جب اس کا وجود کمزور ہو جائے۔ کیا آپ کینسر کے وجود کی ایک جھلک دیکھنا چاہتے ہیں تو سنئے جس شخص کا یہاں ذکر ہے وہ ایک نوجوان تاجر تھا۔ دنیا بھر میں اس کا کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ لاکھوں وہ اپنے علاج پر خرچ کر چکا تھا، انگلینڈ، امریکہ، جاپان اور پھر ممبئی کے دورے وہ اس طرح کیا کرتا تھا جیسے ہم آپ باندرہ سے ممبئی یا بوریولی جاتے ہیں۔

اس نے دنیا بھر کے بڑے بڑے ڈاکٹروں کو جن میں ہومیوپیتھ بھی تھے اور ہر طرح کے معالج بھی تھے آزمایا تھا۔ مگر اس کے مسائل ٹھیک نہ ہوئے تھے۔ بڑا پریشان حال وہ مجھ سے رجوع ہوا تھا اور میں نے اسے چند لمحوں میں پہچان لیا تھا۔ وہ کینسر ہی تھا۔ کینسر کا وجود۔ اس نوجوان کو کینسر نہ تھا ہاں اسے کینسر بڑھاپے میں لاحق ہو سکتا تھا لیکن جوانی میں کینسر کو اس سے آنکھ ملانے کی ہمت نہ ہوئی!؟

آپ اور زیادہ حیرت میں پڑ جائیں گے کہ یہ شخص اسی کینسر نوسوڈ سے ٹھیک بھی ہو گیا۔ جی ہاں ہومیوپیتھک دواؤں میں کینسر کی روح بھی ایک دوا ہے۔ آپ حیران نہ ہوں، یہ سچ ہے۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں آپ کو الجھا رہا ہوں تو جناب اس میں الجھانے والی بات کوئی نہیں ہے۔ پہلا شخص جس کا تذکرہ شروع کیا تھا وہ بہت بڑا شخص تھا اس کے نام سے دنیا بھر کے لوگ واقف تھے۔ اور جس کا تذکرہ اب لے بیٹھا ہوں، وہ بہت بڑا آدمی تھا، یعنی امیر آدمی، جو کہ چٹکی بجاتے دنیا بھر کا سفر کر سکتا تھا۔

اس بڑے شخص اور اس بڑے آدمی دونوں کا وجود کینسر کے مانند تھا۔ ایک کینسر سے مر گیا اور دوسرا کینسر کے شکنجے میں جکڑا جاتا۔ لیکن اسی کینسر نے اسے بچا لیا۔

کینسر کے وجود کو آپ ضرور دیکھنا چاہیں گے تو جناب اس نوجوان کی زندگی کا یہ باب سمجھ لیں۔ ایک کروڑ پتی آدمی جس کا دنیا بھر میں کاروبار پھیلا ہوا ہے۔ اپنے آبائی وطن آتا ہے۔ اس کا وطن ایک گاؤں ہے جو دریا کے کنارے آباد ہے۔ وہ کوئی تقریب تھی اس کے تمام رشتہ دار جمع ہوئے تھے۔ اس کی بہن اور اس کا شوہر بھی۔ رشتہ داروں کے ساتھ اس کا بہنوئی دریا میں نہانے کے لئے چلا گیا۔ اور پھر لاپتہ ہو گیا۔ کیونکہ دریا طوفانی ہو چلا تھا۔ دیکھتے دیکھتے طوفان نے شدت اختیار کر لی۔ ایسے طوفانی دریا میں اترنے کا حوصلہ اچھے اچھوں کو نہ تھا۔ مچھیروں نے معذرت چاہی۔ ایسے طوفان میں وہ اس کے بہنوئی کو کیا ڈھونڈتے۔ جب اس کو خبر ہوئی تو فوراً اس طوفانی دریا میں کود گیا۔ اور کئی گھنٹے دریا میں ڈوبے ہوئے اپنے بہنوئی کو تلاشتا رہا۔ بالآخر اس کی لاش کو دریا سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔

آپ کینسر کو نہیں سمجھ سکتے اس کے وجود کو نہیں سمجھ سکتے جبکہ اس کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے اور اس ہونے والے کینسر سے بچا جا سکتا ہے۔ کہ جو بیماری ہے!

ہاں تو میں اپنی ناکامیوں کی بات کر رہا تھا اس بڑے شخص کی بات کر رہا تھا جس کی تشخیص میں کر چکا تھا پر جس کو اس کی دوا نہ دے سکا۔

آخر کو وہی ہوا وہ بیرونی ممالک کے دورے پر تھا۔ وہاں کسی تکلیف میں مبتلا ہوا جس کے لئے اسپتال میں داخل کیا گیا۔ جہاں اس کے نئے سرے سے دوبارہ ٹیسٹ ہوئے۔ ظاہر ہے ٹسٹ میں وہی داغ نظر آیا اور کینسر کا مریض مان کر اس کے کینسر کو نکال دیا گیا جس کے ساتھ درحقیقت وہ زندہ تھا۔ بعد کی کہانی سنانے سے کوئی فائدہ نہیں اس کی موت بھی اسی طرح تڑپ تڑپ کر ہوئی جس طرح ہر کینسر کے مریض کی ہوتی ہے جس

کا کینسر آپریشن کر کے نکال دیا گیا ہو۔

کینسر کا مریض کینسر کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے۔ خدا جانے کب یہ بات کینسر کے ماہرین سمجھ پائیں گے ؟ کینسر مسئلہ نہیں ہے بلکہ مسئلہ کا حل ہے۔

محبوبہ کے گھر والوں نے سر کے بال منڈوا دیئے۔

میری ناکامیوں میں اس نوجوان کا کیس بھی ہے۔ اس پر پاگل پن سوار تھا۔ اس کو بجلی کے شاک دیئے جاتے تھے جس کے بعد ہی وہ کچھ قابو میں رکھا جا سکتا تھا ورنہ اس پر خون سوار رہتا تھا۔ ہر کسی سے جھگڑا کرتا اور مرنے مارنے پر تا رہتا۔ فحش گالیاں بکتا۔ یا پھر زور زور سے ہنستا، گھر کے سامان کی توڑ پھوڑ کرتا۔ یا پھر اپنے کپڑے پھاڑ دیتا۔

باپ سے نفرت کرتا۔ بھائی بہنوں سے جھگڑا کرتا۔ آس پڑوس کے لوگوں سے جھگڑا کرتا۔ پتھر مارتا، گھر سے نکل کر بھاگتا اس کو باندھ کر رکھا جاتا تھا۔ ڈاکٹروں کے مشورے سے اس کی شادی کر دی گئی تھی۔ لیکن نتیجہ اور بھی خراب نکلا وہ اپنی بیوی کو بھی مارتا تھا اور حجلۂ عروسی کی باتیں سر عام سناتا۔

وہ ایک مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتا تھا اور کالج میں پڑھتا تھا۔ والدین کو اس سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ پڑھنے میں ذہین مگر ڈرپوک اور شرمیلا قسم کا یہ نوجوان اپنے ساتھ پڑھنے والی لڑکی سے چپکے چپکے اپنے دل میں محبت کرتا تھا۔ حالانکہ اسے اس لڑکی سے اپنے دل کی بات کہنے کی کبھی ہمت نہ ہوئی تھی۔ اس کے دوست یار اس کی یکطرفہ محبت اور خاموش محبت سے واقف تھے۔ کچھ دوستوں نے ازراہ مذاق اس لڑکی کے نام سے

اس کو خط لکھنا شروع کر دئے۔ اور یہ اس کو حقیقت سمجھ بیٹھا۔ لیکن پھر بھی اس لڑکی سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اب اس کا من پڑھنے لکھنے میں نہیں لگتا تھا۔ دوسری طرف امتحان کے دن قریب آ رہے تھے۔

مڈل کلاس معاشرے کے اکثر شرمیلے اور دبو قسم کے نوجوان لڑکوں میں کچھ پر امتحان کے دوران دیوانگی طاری ہو جاتی ہے اور کچھ کے ذہن الٹ جاتے ہیں۔ ان پر پاگل پن سوار ہو جاتا ہے۔ اکثر لوگ ان کو آسیبی اثرات سے تعبیر کرتے ہیں۔ جبکہ ڈاکٹر اسے مُراقی پن اور جنون بتاتے ہیں وہ اس مرض کو بھی زوفرینیا Schizophrenia کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ اکثر علاج سکون آور دواؤں سے یا شاک لگا کر کیا جاتا ہے اکثر نوجوان اس طرح کے علاج سے ٹھیک نہیں ہوتے۔

ہاں تو جیسے جیسے امتحان کے دن قریب آئے اس نوجوان پر دیوانگی کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ یار دوستوں نے اسے اکسایا اور وہ مجنوں بن کر محبوبہ کی گلی کے چکر لگانے لگا اور اس کے نام کی صدا لگانے لگا۔ پھر کیا تھا لڑکی کے سرپرستوں نے اور محلے والوں نے اس کی خوب پٹائی کی اور اس کا سر منڈوا دیا۔ ان سبھوں نے مل کر اس کو بہت بیدردی سے مارا مگر اس کو مار کا احساس نہ تھا۔ لوگ اُسے آوارہ و مجنوں سمجھ رہے تھے مگر وہ ایسا نہ تھا۔ وہ بیمار تھا۔ اسے مار کی نہیں علاج کی ضرورت تھی اور علاج کے نام پر اسے بجلی کے شاک دیئے گئے یہ اور بھی بڑی جہالت تھی۔ جھاڑ پھونک والوں نے بھی اپنے منتر اور ٹوٹکے آزمائے۔ لیکن وہ اس سے بھی ٹھیک نہ ہوا۔ آخر میں ڈاکٹروں کے مشورے سے اس کی شادی کر دی گئی۔ لیکن سب بے سود اس کے بعد بھی اس کا دیوانہ پن نہ گیا۔

ہومیو پیتھی کے لئے یہ ایک بالکل سیدھا سادہ سا کیس تھا۔ وہ اپنی محبوبہ کا نام لے

(کر اب بھی صدا لگاتا تھا اور اس کو یقین تھا کہ اسی نے اُس پر جادو کر دیا ہے۔ جب کبھی اس کو یاد کرتا تو اس کے دیوانگی کے دوروں میں شدت آجاتی۔ ایک اور خاص علامت یہ تھی کہ اس کو احساس ہوتا تھا کہ گویا انسانی فضلہ اس پر مل دیا گیا ہے۔ گٹر کی بو آتی ہے اور وہ اس گندگی میں گلے تک ڈوبا ہوا ہے۔ وہ اپنی بیوی کی پاکبازی پر بھی شک کیا کرتا تھا۔ جھاڑ پھونک والے اسے جادو ٹونا بتاتے تھے اور عامل آسیب بتاتے تھے کسی ناپاک جن کا سایہ۔ وہ دو دو افراد کے پکڑنے میں بھی قابو میں نہیں آتا تھا۔)

کیا واقعی اس پر کسی جن کا سایہ تھا۔؟ جن کیا ہے؟ اور آسیب کیا ہے؟ اس پر بعد میں روشنی ڈالوں گا۔ پہلے اپنی ناکامی پر تو روشنی ڈال دوں۔

مندرجہ بالا دونوں علامتوں کی روشنی میں اسے میں نے ہائیو سائی میس۔ Hyoscyamus تجویز کی۔ لیکن دوا کھانے کے بعد ہی اس پر زبردست ایکشن ہوا اس کی دیوانگی میں شدت آگئی۔ گھر والوں نے یہ سمجھا کہ نقصان ہو گیا ہے۔ اس لئے دوا بند کر کے وہی انگریزی دوائیں کھلانا شروع کر دیں جو اس کے دوروں کے دوران میں دی جاتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شفا کی طرف سے جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ رک گیا۔ اب جب وہ اس کو لے کر آئے تو میرے لئے یہ پہچاننا مشکل تھا کہ آیا نتیجہ میری دی ہوئی دوا کا ہے یا انگریزی دواؤں کا۔

انگریزی دوائیں مرض کی تہہ تک نہیں پہنچ پاتیں ان کا دائرہ عمل سطحی ہوتا ہے۔ اس لئے سطحی ہلچل کو کم کر دیتی ہیں۔ مریض کو آرام مل جاتا ہے۔ لیکن وہ مرض کی گرفت سے نجات نہیں پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ عرصے کی خاموشی کے بعد مرض دوبارہ شدت اختیار کر جاتا ہے یا اس سے زیادہ خطرناک شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

وہ مریض قدرے پرسکون تھا۔ لیکن اس میں کچھ نئی علامتیں پیدا ہوئی تھیں۔ اگر نئی علامتیں رونما ہو رہی ہوں تو اپنے نسخہ پر نظر ثانی کر لینا چاہیئے۔ نئی علامتیں اس بات کی طرف اشارہ دیتی ہیں کہ پہلے دی گئی دوا غلط تھی یا کہ اس دوا نے مرض کی گہرائی تک جا کر اثر نہیں کیا ہے۔ ان دونوں میں تفریق کرنا بعض اوقات بہت مشکل ہوتا ہے

لہذا میں نے نئی علامتوں کو اہمیت دی اور اپنے نسخہ پر نظر ثانی کرنے لگا۔ اصولاً یہ بات صحیح تھی مگر یہی غلطی بھی تھی۔ میں اس بات کو بالکل نظر انداز کر گیا کہ وہ ایلوپیتھک دوائیں بھی کھا رہا ہے۔ ایلوپیتھک دوائیں جو ایسے مریضوں کو دی جاتی ہیں۔ ان کا دائرہ عمل زیادہ تر یہی ہوتا ہے کہ دماغی تحریک کو کم کیا جائے تاکہ اس کا دماغ درست ہو جائے۔ مگر اکثر ایسا ہوتا نہیں ہے۔ مریض کی دماغی تحریک کم تو ضرور ہو جاتی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس پر غنودگی طاری رہتی ہے۔ اور اس کا ذہن کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ جسمانی اور شہوانی طاقت ختم ہونے لگتی ہے اور بالآخر وہ کسی کام کا نہیں رہتا۔ اکثر مریض ایسی زندگی سے موت کو ترجیح دیتے ہیں اور خودکشی کر کے مر جاتے ہیں۔

جبکہ ہومیوپیتھک علاج تو خدا کے اصولوں پر مبنی ہے اس کے قانون پر مبنی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر کسی جن یا شیطان نے دبوچا ہے تو اس سے بڑا جن آپ اس مریض کے اندر داخل کر دو۔

میرے ایلوپیتھک معالج دوست یہ پڑھ کر ضرور ہنسیں گے اور وہ لوگ بھی ہنسیں گے جو مجھ کو نفسیاتی علاج کا ماہر سمجھتے ہیں۔ اکثر لوگوں کے نزدیک جن یا شیطان کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مادہ پرست ان کے وجود سے ہی انکار کرتے ہیں اور ان تمام باتوں کو مریض کے دماغی خلل سے منسوب کرتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جنوں کا وجود ہے اور جنوں میں بھی اسی طرح شیاطین ہیں جس طرح کہ خود انسانوں میں ہیں۔ اور یہی شیاطین

لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔ انھیں بیمار کرتے ہیں۔ ان کے ذہنوں کو اُلٹ دیتے ہیں۔ اکثر ایسے مریض جدید طریقۂ علاج سے ٹھیک نہیں ہوتے۔ اکثر جھاڑ پھونک سے بھی ٹھیک نہیں ہوتے۔ لیکن اگر جھاڑ پھونک صرف اللہ کے ناموں یا اس کے کلام سے کی گئی ہو تو اکثر شفا پا جاتے ہیں۔

شیطانی چکر کیا ہے۔ علاج بالاعتقاد کیا ہے اور بھوت بھگانے والے کیا ہیں؟ ان باتوں پر اپنی تصنیف علاج زحمت یا رحمت! میں روشنی ڈال چکا ہوں۔ یہاں اسلام میں جھاڑ پھونک کی حیثیت کیا ہے اور جھاڑ پھونک خود موثر بھی ہے یا نہیں؟ اس پر بات کروں گا۔

بکثرت صحیح حدیث میں ذکر آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو سوتے وقت اور خاص طور پر بیماری کی حالت میں قل ہو اللہ اور معوذتین تین تین مرتبہ پڑھ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں پھونکتے اور سر سے لیکر پاؤں تک پورے جسم پر جہاں جہاں تک بھی آپ کے ہاتھ پہنچ سکتے انھیں پھیرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر اللہ پر اعتماد کیا جائے تو وہ چاہے تو صرف اسی بات کو نافع بنا دے گا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ آپ نے دوا اور علاج سے نہ صرف یہ کہ کبھی منع نہیں فرمایا بلکہ خود فرمایا کہ ہر مرض کی دوا اللہ نے پیدا کی ہے اور تم لوگ دوا کیا کرو۔

یہاں ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ دوا بھی اللہ ہی کے حکم اور اذن سے نافع ہوتی ہے ورنہ اگر دوا اور طبی معالجہ ہی ہر حال میں نافع ہوتا تو پھر اسپتالوں میں کوئی نہ مرتا اب اگر دوا علاج کے ساتھ اللہ کے ناموں اور اس کے کلام سے استفادہ کیا جائے تو پھر شفا یقینی ہے۔ ہاں اگر آپ اللہ کے ناموں

کے علاوہ کسی اور پر بھی اعتماد کرتے ہیں اور مدد مانگتے ہیں تب آپ شرک کرتے ہیں ایک مومن اور مشرک میں یہی فرق ہے۔ ایک مومن صرف اللہ کی پناہ مانگتا ہے۔ جبکہ مشرک اللہ کے سوا دوسری ہستیوں مثلاً جنوں یا دیوی دیوتاؤں سے پناہ مانگتا ہے

ایک اور بات قابل توجہ ہے کہ قرآن کا آغاز سورۂ فاتحہ سے ہوتا ہے اور اختتام معوذتین پر۔ اب ذرا دونوں پر ایک نگاہ ڈال لیجئے۔ آغاز میں رب العالمین، رحمان ورحیم اور مالک یوم الدین کی حمد و ثنا کر کے بندہ عرض کرتا ہے کہ آپ ہی کی میں بندگی کرتا ہوں اور آپ ہی سے مدد چاہتا ہوں اور یہ کہ مجھے سیدھا راستہ بتا۔ جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدھا راستہ دکھانے کے لئے اسے پورا قرآن دیا جاتا ہے۔ اور اس کو ختم اس بات پر کیا جاتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے جو ربُّ الفلق، رب الناس، ملکِ الناس اور الٰہ الناس ہے۔ عرض کرتا ہے کہ میں ہر مخلوق کے ہر فتنے اور شر سے محفوظ رہنے کے لئے آپ ہی کی پناہ لیتا ہوں اور خصوصیت کے ساتھ شیاطین جن و انس کے وسوسوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ کیونکہ راہ راست کی پیروی میں وہی سب سے زیادہ مانع ہوتے ہیں۔ بعد کی آیتوں میں (سورہ الفلق) کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب انسانوں کے بادشاہ۔ انسانوں کے حقیقی معبود۔ اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو بار بار پلٹ کر آتا ہے۔ خواہ وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔

پناہ مانگنے والا بہرحال وہی شخص ہوتا ہے جو محسوس کرتا ہے کہ جس چیز سے وہ ڈر رہا ہے اس کا مقابلہ خود نہیں کر سکے گا۔ جن و شیاطین کا وجود اور ان کو دفع کرنے کے لئے اللہ کا کلام موجود ہے اور اللہ کی نافع کردہ دوا بھی موجود ہے۔ دوا اور دعا دونوں میں شفا موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر بلا اور بیماری کی دوا پہلے ہی محفوظ کر رکھی ہے بس اس کے بندوں کو ان دواؤں کو تلاشنا ہے اور ایک ہومیوپیتھ کا کام یہی تلاش ہے۔ خدا کے کارخانے میں موجود ہر دوا کی دوائیہ خصوصیات سے واقفیت۔

اکثر لوگوں کو اس بات کا تجربہ ہوگا کہ جن لڑکیوں میں شیطانی اثرات رونما ہوئے ان میں سے اکثر نماز کے دوران بیہوش ہو جاتی تھیں اور کچھ کو حاجت فراغت کے دوران دورے پڑ جاتے تھے۔ یہی حال لڑکوں کا ہوتا ہے۔ بعض دوروں کے دوران گندگی کی طرف لپکتے ہیں۔ گندگی میں لوٹتے ہیں اور بعض قرآنی آیات سناتے ہیں۔ جن سے پہلے وہ واقف بھی نہ تھے۔

پاک جن ناپاک جن

میں یہ بتا چکا ہوں کہ ایک صحت مند انسان پر بیماریاں اثر انداز نہیں ہو سکتیں اسی طرح ایک صحت مند ذہن پر جن و شیطان بھی اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ وہ نوجوان ایک مڈل کلاس فیملی کا فرد تھا۔ کالج میں پڑھتا تھا اور کالج میں پڑھنے کے لئے ایک متوسط طبقے کے فرد کو کیا کچھ پریشانیوں کا سامنا نہیں ہوتا۔ اس کا اندازہ اس طبقے کے ہر فرد کو ہوگا۔ ایک طرف تو وہ اپنے وہ شوق پورا کرنا چاہتا تھا جو اس کے دولت مند ساتھی کرتے ہیں اور دوسری طرف پڑھائی لکھائی۔ اکثر اسی دو طرفہ ذہنی کشمکش میں بیمار پڑتے ہیں۔

ایک بات یاد رہے کہ بیماری کسی جراثیم سے پیدا نہیں ہوتی۔ یہ نظریہ مادہ پرستوں کا ہے کہ بیماری کا سبب کسی مادی شے کی شکل میں دریافت کر کے خوش ہوتے ہیں۔ قدرتی امراض کسی جراثیم سے پیدا نہیں ہوتے جراثیم تو صرف ظاہری امراض پیدا کر سکتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح کہ آپ کسی زہریلی اشیاء کے زیر اثر رہ کر بیمار پڑ سکتے ہیں۔ ہومیوپیتھی کا یہ بالکل صاف

اور واضح نظریہ ہے کہ قدرتی امراض کے پس پشت کوئی جراثیم نہیں ہوتے بلکہ یہ جرثومہ یہ خوردبینی مخلوق تو بیماری کے دوران قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح کہ جس طرح رکی ہوئی گندگی میں کیڑے مکوڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔

آج جدید معالجہ کے مفکرین بھی اس بات کے قائل ہو چکے ہیں کہ اکثر قدرتی امراض کا سبب وائرس ہوتا ہے لیکن مادہ پرست اس وائرس کو بھی کسی مادی حیثیت سے ہی تسلیم کر سکتے ہیں۔ اس لئے جرثوموں سے بھی چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑوں کو وائرس کا نام دے کر گویا یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ انھوں نے طبی دنیا میں کوئی بڑا تیر مارا ہے جبکہ ہومیوپیتھی کا نظریہ یہاں بھی بالکل واضح ہے کہ وائرس سے مراد کوئی جراثیمی شے نہیں ہے۔

وائرس یونانی زبان کا لفظ ہے اور جس کے معنی ہیں پوشیدہ اور پرخطر۔ یعنی یونانی میں وائرس کا مفہوم کچھ انھیں معنوں میں لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ عربوں کے یہاں لفظ جنات ہے یعنی وہ جو پوشیدہ اور پرخطر ہے اور جو نظر نہیں آتا۔

ہومیوپیتھی کے بانی ڈاکٹر ہانی مین نے بھی وائرس کا لفظ انھیں معنوں میں استعمال کیا تھا۔ طب میں لفظ وائرس کی اصطلاح ڈاکٹر ہانی مین کی ہے لیکن مادہ پرستوں نے خوردبین کی ایجاد کے بعد جرثومہ کی اور زیادہ چھوٹی مخلوق کو وائرس سمجھ لیا۔

لیکن ہومیوپیتھی کے نزدیک وائرس کا وجود مادی سطح پر نہیں ہے بلکہ کائناتی سطح پر ہے اور اسطرح بیماری ایک احساس ہے جو ہر اس فرد پر اثر انداز ہو سکتی ہے جو پہلے سے اثر پذیر ہے۔ ہومیوپیتھ کو بیماری کے مختلف ناموں سے سروکار نہیں ہے یہ نام تو ان معالجوں نے دے رکھے ہیں جو بیمار شخص کا علاج نہیں کر سکتے۔ البتہ مریض کے اعضاء کی مختلف ٹوٹ پھوٹ کے مطابق بیماری کا نام تجویز کر کے اس کو مغالطے میں رکھتے ہیں

اصل بیماری کسی مادی ذریعے سے تشخیص نہیں کی جا سکتی ۔

ایک ہومیوپیتھ کے نزدیک یا تو وہ شخص بیمار ہے یا صحت مند۔ ایک صحت مند شخص کے نزدیک کوئی بیماری نہیں آ سکتی ۔ لیکن جو بیمار ہے یعنی کہ جس کا وجود بیمار ہے وہ شخص طرح طرح کے الجھے ہوئے مسائل سے دوچار ہوتا رہے گا۔ ہومیوپیتھی کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ آپ ان لوگوں کی صحت بحال کر دیں کہ جو بار بار بیمار پڑتے ہیں۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ وہ خود بخود شفایاب ہو جائیں گے ۔

وہ نوجوان کس لئے بیمار پڑا تھا؟ اس لئے کہ وہ پہلے سے بیمار تھا۔ ایک متوسط طبقے کا نوجوان کہ جس کی غذا ناقص ہے کہ جس کے تمام وسائل ناقص ہیں۔ اس کمر توڑ مہنگائی میں کیا اس کے والدین اس کے لئے سب کچھ فراہم کر سکتے تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بیمار پڑ گیا ! ایک متوسط طبقہ یعنی خستہ حال خاندان کا فرد جو کہ ایسے ماحول میں رہنے پر مجبور ہے کہ جہاں نالی کے کیڑے بھی دم توڑ دیں۔ ہر طرف گٹر کی گندگی، ہر طرف خوف و دہشت کا ماحول اور ایسے ماحول میں اس کو اس کے خاندان کو رہنا ہے ۔ یہ ہمارے معاشرہ کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے ۔ ہمارا معاشرہ متوسط طبقے کا معاشرہ ہی ہے ۔ ہمارا ملک اسی متوسط طبقے کے سہارے چل رہا ہے ۔ اور یہی طبقہ اس ملک میں ہر لمحے عذاب جھیل رہا ہے ۔ اسی طبقے کو ٹیکسوں تلے روندا جاتا ہے تاکہ ہماری سرکار چلتی رہے ۔

اس گندگی اور دہشت گردی کے ماحول میں ناپاک جن بستے ہیں اور ان کے ناپاک اثرات سارے معاشرے پر پڑتے ہیں۔ بھولے بھالے انسانوں پر اس طرح اثر انداز ہوتے ہیں کہ اکثر کے ذہن الٹ جاتے ہیں۔ آپ اس گندگی اور اس ماحول کی تصویر دیکھنا چاہیں گے تو دیکھئے یہ ایک دوا ہے ۔

میں ایک معالج ہوں اس لئے دوا ہی کی بات کرتا ہوں۔ یہ دوا ہی ہائیوسائیمس ہے جو اس گندگی میں پیدا ہوتی ہے ۔ اس لئے کہ یہی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ گندگی، گندگی کا علاج ہے ۔ پہلے آپ اس دوا کی ذہنی علامتوں پر غور کر لیں ۔ خوف اکیلا ہونے سے زہر دیئے جانے کا، کاٹے جانے کا، فروخت کر دیئے جانے کا۔ کھانے اور پینے سے، جو چیز دی جائے اس کے لینے سے کیونکہ اس کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اس میں کوئی سازش کارفرما ہے ۔ اس کے ساتھ دھوکہ ہونے والا ہے ۔

ناکام محبت کے اثرات، حسد، غصہ، بے تکی بات چیت یا ہر بات پر ہنسنے کی رغبت اور پھر اس کے بعد مرگی کے دورے اور یہ دورے بھی ایسے کہ مریض گندگی کی طرف لپکے، نالی کے کنارے گرے یا بیت الخلاء میں جا کر بے ہوش ہو جائے۔ شہوانی جنون، بے حیائی بے شرمی، یہاں تک کہ کپڑا نہ پہنے۔ ننگا رہے۔ اپنی محبوبہ کا نام لیکر گانا گائے۔ چیخ و پکار کرے، مرنے مارنے پر آمادہ نظر آئے۔ سرعام ننگا ہو جائے۔ کپڑوں کو لات مار کر پھینک دے۔ حد سے زیادہ بے شرمی۔ عشقیہ گانے گائے۔ بستر میں ننگا پڑا رہے۔

دانتوں پر میل۔ ہوا میں اڑتے ذرات کو پکڑے یا بستر میں ننگا پڑا رہے یا بستر کے کپڑے نوچے، شدید بے چینی۔ جسم کے ہر عضو میں تشنج اور پھڑکن آنکھوں سے پاؤں کے انگوٹھوں تک، ہڈیاں بے چینی کے ساتھ بستر سے کود پڑے اور بھاگنے کی کوشش کرے ۔

یہ ہائیوسائیمس کے ہذیان و جنون کی علامتیں ہیں۔ جو کہ ایک ناپاک جن کی تمام عادات سے ملتی ہیں۔ بالکل مشابہ۔ یہی قدرت کا قانون ہے۔ ہر مرض کی دوا اس کے کارخانے میں پہلے سے موجود ہے ۔ ہر شیطان کا توڑ اس نے پیدا کیا۔ ہر زہر کا تریاق

پیدا کیا۔ وہ نوجوان اس دوا سے ٹھیک ہوگیا ہوتا۔ کاش میں نے تھوڑا صبر کیا ہوتا۔
اپنی ناکامی کے ساتھ اپنی ایک کامیابی کا تذکرہ بھی ضرور کرنا چاہوں گا۔ تاکہ قارئین اور بالخصوص میرے شاگرد اس دوا کے صحیح استعمال سے واقف ہوجائیں۔

یہ بھی ایک نوجوان ہی تھا۔ غریب بیوہ کا ہونہار فرزند اس کی ماں گھر گھر کام کرکے اس کو پڑھاتی تھی۔ بچپن سے وہ ذہین تھا۔ اس کا ایک بڑا بھائی بھی تھا۔ وہ محنت مزدوری کرتا تھا۔ یہ نوجوان سرکاری اسپتال کے دماغ کے ڈاکٹروں کے زیر علاج تھا اور کئی سالوں سے اس کا علاج ہو رہا تھا۔ کیونکہ اس پر دیوانگی کے دورے پڑتے تھے ہر وقت اس پر خون سوار رہتا تھا۔ وہ اپنی ماں کو بھی مارتا تھا اور بھائی سے بھی جھگڑا کرتا تھا۔ اس پر جب تشنجی اور ہذیانی کیفیت طاری ہوتی تھی تو وہ نالے کے پاس جاکر اوندھا پڑتا تھا۔

وہ شروع سے ایسا نہ تھا بلکہ ماں کا فرمانبردار تھا۔ نماز روزوں کا پابند۔ لیکن ایس۔ایس۔سی کے امتحان کی تیاری کے دوران اس پر پاگل پن سوار ہوگیا۔ پڑھائی لکھائی چھوٹ گئی۔ جھاڑ پھونک دعا تعویز کسی سے بھی ٹھیک نہ ہوا۔ سرکاری اسپتال کے ڈاکٹر اس کی ماں کو درجنوں گولیوں کے پتے دیتے اور کہتے "گولیاں چالو رکھو نا ہی تر تو ویڑا ہونار" (گولیاں جاری رکھو ورنہ پاگل ہوجائے گا۔)

لیکن کیا وہ ان کی گولیوں سے ٹھیک ہوا۔ اُلٹے اس پر ہر وقت نیند طاری رہتی تھی یا دورے۔ وہ کسی کام کا نہیں رہ گیا تھا۔ ایک بیمار شخص کو نیند کی گولیاں کھلا کر نیند اور غشی میں رکھنا اس کے پاگل پن سے کہیں زیادہ بڑا پاگل پن ہے۔ لیکن یہی پاگل پن کا طریقۂ علاج رائج ہے۔ کاش ہمارے دوست معالج اس طریقۂ علاج کو ترک

کریں اور خدا کے قانون پر مبنی علاج کو اپنائیں۔

یہ نوجوان اس دوا کی صرف ایک خوراک سے بالکل شفایاب ہوگیا۔ اس کیس میں رہنما علامت یہ تھی کہ پاگل پن کے دوروں کے دوران نالے کے پاس جا جا کر اوندھا گرنا۔ یہ دوا ہائیوسائمس کیا ہے۔ ذرا اسے بھی جان لیجئے اور حیرت کیجئے۔ شائد خدا کا قانون آپ کی سمجھ میں آجائے

ہائیوسائمس ایک زہریلا پودا ہے۔ عام زبان میں اس کو Henbane کہتے ہیں۔ آپ کے لئے میں اور آسان کردوں۔ دراصل یہ وہ پودا ہے جو گندگی میں کوڑے کرکٹ میں اپنے آپ اگ جاتا ہے۔ اس کو بے شرم کا جھاڑ کہتے ہیں۔ اسکا پھول پیلے یا کالے رنگ کا ہوتا ہے۔ جس میں خوشبو نہیں ہوتی۔ رات کی تاریکی میں اس ویران اور گندہ ماحول میں اس پھول کو غور سے دیکھیں تو یہ معلوم ہوگا کہ یہ گندگی اور غلاظت کی طرف جھکا ہوا ہوگا۔ اس میں کسی طرح کی کشش نہیں ہوتی۔

یہ پودا اپنے اندر غلاظت اور گندگی کے ساتھ ساتھ رات کی تاریکی میں ہونے والی دہشت و درندگی و آسیبی تمام اثرات کو سمیٹ کر رکھتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ بے شرمی اور بے حیائی بھی۔ کیونکہ بے شرمی اور بے حیائی گندگی میں ہی پنپتی ہے۔ یہ پودا بہت زہریلا ہے۔ لیکن یہ تعجب ہی ہے کہ اس کے زہریلے اثرات مرغیوں پر بالکل نہیں ہوتے۔ یہ اللہ کی شان ہے۔

بھلا ایک شیطان دوسرے شیطان کو کنکری کیوں مارتا؟

میں اس پودے کے بارے میں بتا رہا ہوں جس کو کھا لینے سے شیطانی طاقتیں اُبھرتی ہیں اور یہی پودا ایسی ہی شیطانی طاقتوں کے لئے نافع بھی ہے۔ جن کا وجود

کائنات میں موجود ہے ۔ بیماری کا وجود بھی کائناتی سطح پر ہوتا ہے اور یہ طاقتیں ہر اس شخص کو متاثر کر سکتی ہیں جو ان سے اثر پذیر ہو سکتے ہیں۔ کسی شیطان یا جن میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ کسی صحت مند انسان کو متاثر کر سکے ۔

قدرتی امراض کیسے ہو جاتے ہیں اور کیوں ہو جاتے ہیں اس کو سمجھنا بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ کون شخص کب اور کس حالت میں بیمار پڑ جائے گا بتلا نہیں سکتا۔ شیطانی طاقتیں کس طرح چپ چاپ اثر انداز ہوتی ہیں جب ہر طرف شیطانی ماحول ہو تو ایک سیدھے سادے شخص کو بیمار کر ہی دیں گی ۔

ایک حاجی صاحب کا یہ کیس ہے ۔ حج کے لئے جانے کی خدا سے گڑگڑا کر دعائیں مانگا کرتے تھے اور جب حج کا وقت آیا تو جانے سے انکار کرنے لگے ۔ حج کے لئے روانہ ہونے کے لئے ان کو ڈر لگتا تھا۔ عجیب سی کیفیت ان پر طاری تھی وہ حج کے نام سے گھبراتے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی بھی جانے والی تھیں ۔ دوست احباب سب مل کر ان کو سمجھاتے ان کا حوصلہ بڑھاتے لیکن وہ سفر کے لئے تیار ہی نہ تھے۔ اپنے لڑکے سے کہتے اگر میں حج کے لئے گیا تو راستے میں ایکسڈنٹ ہو جائے گا۔ میں بچوں گا نہیں ان کو ہر شئے سے ڈر لگتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ایک کمرے میں بند کر لیتے تھے۔ اپنا سارا سامان سنبھال کر چھپاتے تھے ۔

نماز پڑھتے تو زور زور سے اور جلدی جلدی پڑھتے۔ بہت جلدی ان کی نماز ہو جاتی تھی ۔ ملنے جلنے والوں سے بس دُور سے مصافحہ کرتے گویا ان کو کسی سے ہاتھ ملانے سے بھی ڈر معلوم ہوتا تھا۔ بڑی مشکل سے وہ حج کے سفر کے لئے اس شرط پر تیار ہوئے کہ وہ شیطان کو کنکری نہیں ماریں گے ۔ یہ ان کی عجیب شرط تھی۔ ان کو بہت سمجھایا گیا

کہ اگر آپ نے شیطان کو کنکری نہیں ماری تو آپ کو ایک زائد قربانی کرنی ہوگی ۔ زائد قربانی کرنے کے لئے بھی وہ تیار نہ تھے کیونکہ وہ اپنے آپ کو بہت غریب سمجھتے تھے۔ بہرکیف کسی طرح وہ حج کے لئے روانہ ہوئے۔ لیکن وہاں پہنچنے کے بعد انھوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی نہ خانۂ کعبہ کا طواف کرنے جاتے نہ نماز پڑھنے جاتے بس اپنے خیمے میں پڑے رہتے اور جلدی جلدی آدھی ادھوری نماز ادا کرتے ۔

ان کی بیوی جو حج میں ان کے ساتھ تھی ان کو بہت سمجھاتی لیکن وہ نہیں مانتے۔ وہ شیطان کو کنکری مارنے کے لئے بھی نہیں گئے۔ اسطرح حج کر کے اپنے وطن واپس آئے وطن میں بھی کسی سے ملتے جلتے نہ تھے۔ سارا دن بڑبڑ کرتے رہتے۔ جلدی جلدی نماز پڑھتے یا پھر اپنے آپ کو ایک کمرے میں بند کر کے رکھ لیتے تھے۔ ملنے والوں سے کہتے کہ میں حاجی نہیں پاجی ہوں ۔ بات کرتے کرتے بھول جاتے۔ نماز پڑھتے پڑھتے وہ بھول جاتے۔ لیکن پھر بھی وہ نماز پڑھتے لیکن کوشش یہی ہوتی کہ جہاں تک ہو نماز پڑھنے سے چھٹی مل جائے ۔

جب میں نے ان کو دیکھا تو دیکھتے ہی ان کی دوا تشخیص کر لی۔ واقعی یہ کیس بڑا آسان تھا۔ اس کیس میں اہم علامت یہی تھی کہ بھلا ایک شیطان دوسرے شیطان کو کیونکر کنکر مارتا۔ اپنے قارئین کو اپنے شاگردوں کو یہی بتانا ہے کہ یہ دوسرا شیطان کیا ہے ؟

حاجی صاحب واقعی بیمار تھے اور ان پر کسی جن کا سایہ تھا۔ یہ جن پاک تھا یا ناپاک پتہ نہیں پر ایک بات واضح ہے کہ آپ کسی بھی شکل میں علم کی جوت جلائیں بعد ازاں آپ کو مایوسی ہی ہوگی۔ یہ دور پیسے بنانے کا دور ہے اگر آپ کو پیسہ بنانا نہیں آتا تب

آپ حاجی صاحب کی طرح غریب ہیں۔ حاجی صاحب پر جو شیطان سوار تھا۔ اس ملک میں اس کا سایہ گہرا ہوتا جا رہا ہے کشمیر سے کنیا کماری تک اور بابری مسجد سے سومنا تھ تک ہر سمت اس شیطان، اس جنات یعنی وائرس کا بول بالا ہے۔ وائرس، یہ جنات حاجی صاحب جیسے کمزور اعصاب لوگوں کو پاگل بنا دیتا ہے۔

حاجی صاحب بات کرتے کرتے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ یا بات کرتے کرتے الفاظ بھول جاتے تو صرف منہ چلاتے رہتے۔ ایک جگہ انھیں بیٹھے رہنے سے بھی گھبراہٹ ہوتی تھی اس لئے وہ ہر لمحے پہلو بدلتے رہتے تھے۔ بار بار ایک جملہ ادا کرتے۔ بھائی صاحب ہم غریب آدمی ہیں۔ ہمارا کوئی نہیں ہے۔ ہم تو صاحب علاج کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے۔ نوٹ کیجئے اور مندرجہ بالا سطروں کو دوبارہ غور سے پڑھئے۔ بالخصوص میرے شاگرد اسے تین مرتبہ پڑھیں اور اس میں سے علامتیں تلاش کریں۔ ان سطروں میں علامتیں تلاش کریں کئی علامتیں پوشیدہ ہیں جیسے ایک علامت یہ ہے کہ بات کرتے کرتے منہ چلانا، دوسری علامت ہے۔ بے چینی، تیسری علامت ہے کہ میں تنہا ہوں یعنی اس جنگل بیابان میں تنہا ہوں۔ اس صحرا میں تنہا ہوں۔ اس وحشی پن درندگی کے ماحول میں تنہا ہوں اور چوتھی علامت ہے "ہم تو صاحب علاج کرانے کی طاقت بھی نہیں رکھتے"، یعنی ہم بہت غریب آدمی ہیں، ہماری حیثیت ہی کیا ہے؟ یہاں حیثیت ہی کیا ہے! اہم بات ہے۔ بہت زیادہ اہم۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی علامتیں تھیں۔ جیسے وہ چلتے چلتے بھاگ جاتے تھے۔ یہ کہتے ہوئے کہ اب کچھ ہو جائے گا۔ اب میں نہیں بچوں گا۔ گھر کے تمام افراد کو انھوں نے پاگل بنا رکھا تھا۔ وہ اپنے آپکو اکیلے کمرے میں بند کر لیتے تھے۔ رات

رات رات بھر سوتے نہ تھے اور وہ دوسروں کو سونے بھی نہیں دیتے تھے۔ بائے بائے چیختے رہتے تھے۔ ہاتھوں کی انگلیوں کو بار بار جنبش دیتے رہتے گویا ابھی کسی کو پکڑ لیں تو ماریں۔ ان میں طاقت بھی بہت تھی لیکن ڈر بھی اتنا ہی۔

میں دوا کی تشخیص تو کر چکا تھا اب ان کی بیماری کی وجہ بھی جاننا چاہتا تھا۔ ایک ہومیو پیتھ کی تشخیص اس وقت مکمل ہوتی ہے کہ جب اس مرض کا سبب بھی جان لے یعنی اس جنات کا چہرہ دیکھ لے۔ سبب ہمیشہ پوشیدہ ہوتا ہے اور ہومیو پیتھ کو اس پر سے نقاب اٹھانا ہے۔ حاجی صاحب کا کاروبار تھا۔ دوکان تھی جس کو کہ فسادیوں نے جلا دیا تھا۔ ایک فساد وہ اب سے کئی برس پہلے دیکھ چکے تھے جمیں چکے تھے اور کسی طرح اپنا کاروبار جمایا تھا۔ اب آپ سوچئے اس جنگلی معاشرے میں ان حالات میں کس کا دماغ خراب نہیں ہوگا۔

حاجی صاحب کو اسٹرامونیم طاقت تیس میں صرف ایک خوراک دی گئی۔ دوا سے خاطر خواہ نتیجہ نکلا، دوسرے ہفتے کی رپورٹ اچھی تھی۔ وہ اپنے بند کمرے سے نکل کر اپنے بال بچوں میں بیٹھنے لگے تھے۔ ان کی بک بک اور جھک جھک کافی حد تک کم ہو گئی تھی میں بڑا خوش تھا۔ میں نے دوا دہرانا مناسب نہیں سمجھا۔ ایک ہفتہ اور خیریت سے گذر گیا پھر اس کے بعد حاجی صاحب کے پاگل پن نے شدت اختیار کرنا شروع کی۔

اس بار میں نے ایک ہزار طاقت میں وہی دوا دی۔ لیکن دوا ناکام ثابت ہوئی علامتوں نے بہت زیادہ شدت اختیار کر لی تھی۔ میں نے اور زیادہ اور زیادہ اونچی طاقت کا استعمال کیا لیکن کیس قابو میں نہ آیا۔ وہ نوجوان کہ جس کا اس کی محبوبہ کے گھر والوں نے سر منڈوا دیا تھا۔ میں نے اُس کیس میں دوا دہرا کر غلطی کی تھی اور اُس کیس

میں دوا نہ دہرا کر غلطی کی تھی۔

ہومیوپیتھی بہت مشکل ہے۔ ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے اور جب اپنی ناکامیوں پر غور کرتا ہوں تو اسباب بھی سامنے آتے ہیں۔ ان دونوں کیسوں میں اونچی طاقتوں کا استعمال کیا گیا تھا لیکن دوا نے کام نہ کیا۔ آخر ایسا کیوں ہوا۔ کیا دوا نقلی تھی؟۔ خدا کا قانون کبھی فیل نہیں ہوتا۔ دراصل مجھے تو اب ان دواؤں کی اصلیت پر شک ہونے لگا ہے۔ ہمارے یہاں بہت اونچی طاقت کی دوائیں شاذونادر ہی ملتی ہیں اور ان دواؤں کو امریکہ و جرمن سے براہ راست منگوانا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے۔ ہمارے مقدر میں تو بیماریاں جھیلنا اور ٹیکسوں کا بوجھ اٹھانا لکھا ہوا ہے تاکہ کچھ لوگ عیش کریں اور جب کچھ لوگ عیش نہ کریں اور باقی فاقہ کریں تو ظاہر ہے کہ ان میں سے کچھ کا دماغ خراب ہوگا ہی۔ اب جو چھین سکتا ہے وہ تو چھین لیگا اور جو چھین نہیں سکتا وہ اپنا گھر تباہ کرتا ہے۔ اپنے آپکو برباد کرتا ہے۔

کیا آپ سنتے اور دیکھتے نہیں اخبارات کی سرخیاں ایسی خبروں سے بھری پڑی رہتی ہیں۔ شوہر نے بیوی کو زندہ جلا دیا۔ باپ نے بیٹے کا گلا کاٹ دیا۔ بیٹے نے ماں کا پیٹ پھاڑ دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

بھولے بھالے و سیدھے سادھے انسانوں کے ذہنوں میں وسوسے ڈالنے والا یہ شیطان ہر جگہ موجود ہے اور ہمارے ملک میں تو یہ اپنے پورے خاندان کے ساتھ ہے۔ اب یہ اسٹرامونیم کیا ہے؟ جی ہاں میں تو دوا ہی کی بات کرتا ہوں۔ ایک طرف جب ان شیطانوں کا وجود ہے کہ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں تو دوسری طرف ان شیطانوں ان جناتوں کی دافع کوئی شے بھی ضرور ہوگی۔ یہی تو اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ہومیوپیتھی

یعنی جیسے کو تیسا۔

یہ دوا اسٹرامونیم آخر کیا ہے؟! اس کو سمجھنے کے لئے آپکو ہمارے ساتھ قبرستان چلنا پڑے گا۔ جی ہاں ہومیوپیتھی مطلب ہومیوپیتھی جو خدا کا قانون ہے۔ ہر ذرّے میں خدا کی شان ہے اور خود خدا اس میں موجود ہے۔ ہومیوپیتھی کی بعض دواؤں کو سمجھنے کے لئے پوری عمر چاہئیے۔ اسٹرامونیم ایسی دواؤں میں سے ایک ہے۔

چلیئے اب آپ کو قبرستان کی سیر کراؤں اور اس دوا کا تعارف آدھی رات کے بعد اس وقت کہ جب پورا چاند آسمان پر تیرتا رہتا ہے اور کتے بلیاں ڈر اور وحشت سے روتے ہیں۔

اسٹرامونیم ۔ شیطانوں کا شیطان

اسٹرامونیم Stramonium ایک درخت کا پھول ہے۔ جتنا یہ پھول زہریلا ہے اتنا ہی اس کا پھل بھی زہریلا ہے۔ گاؤں دیہات کی جوشیلی و خوبصورت لڑکیاں محبت میں ناکام ہوکر اکثر جب خودکشی کرتی ہیں تو اس پھول کی پنکھڑیاں کھا کر کرتی ہیں۔ ہندی میں اُسے دھتورا کہتے ہیں اور انگریزی میں Devil's Tree یعنی شیطان کا درخت کہتے ہیں۔

اس کی تمام خصوصیات شیطان کی سی ہیں چھوٹے موٹے شیطان تو اس سے دامن بچا کر نکل جاتے ہیں اور بڑے شیطانوں کو اس سے آنکھ ملانے کی ہمت نہیں۔ یہ بہت بڑا زہر ہے۔ اسی لئے ہومیوپیتھی کی اہم ترین دوا ہے اس کے پھول کی خوشبو ہی آپ کے ذہن کو اُلٹ دیتی ہے

یہ پودا نہ تو جنگل بیابان میں اُگتا ہے اور نہ صحراؤں میں بلکہ یہ اُگتا ہے قبرستان

کے دروازوں پر۔ یہ وہاں اپنے آپ اُگ آتا ہے۔ رات کی تاریکی میں شہر سے دور کسی قبرستان کا ماحول ہیبت ناک تو ہوتا ہی ہے۔ چاندنی رات میں جب پورا چاند آسمان پر تیر رہا ہو تو یہاں ماحول اور بھی زیادہ ہیبت ناک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس سناٹے میں اکثر کتوں اور بلیوں کے رونے کی اور سسکنے کی آوازیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔

اگر آپ میں اتنی ہمت ہے کہ کسی ویران قبرستان کی چار دیواری کے پاس چاندنی رات میں اپنا کیمرہ اور فلیش گن لے کر اس درخت کے پھولوں اور پتیوں کا مشاہدہ کریں تو آپ بہت کچھ سیکھ جائیں گے اس کی ایک ایک علامت آپ پر واضح ہو جائے گی۔ کبھی ایسا معلوم دیگا کہ کسی قبر سے کوئی نور جیسا چمکا تھا اور کبھی ایسا معلوم ہوگا کہ کسی قبر پر کوئی کالا سایہ منڈلا یہ تھا۔

یہ درخت اس ماحول کی ہر جنبش کو اپنے اندر جذب کرتا رہتا ہے۔ رات کی تاریکی میں جب کتے اور بھیڑیئے اپنی روزی تلاشنے کے لئے اس ماحول میں داخل ہوتے ہیں تو اس کی پتیاں سمٹ جاتی ہیں اور جب پورے چاند سے کتے و بھیڑیئے خوف کھا کر روتے اور چلاتے ہیں تب بھی اس درخت کی پتیوں اور شاخوں میں اسی طرح کی جنبش ہوتی ہے۔

آخر یہ کتے اور یہ بلیاں یہ بھیڑیئے اس پورے چاند، اس چودہویں کے چاند سے کیوں ڈرتے ہیں؟ یہ بعد میں بتاؤں گا۔

یہاں جو اہم بات ہے اُسے بتا دوں۔ یہ موت اور زندگی کا رقص، یہ شیطانی چکر، یہ ڈر، یہ خوف، یہ روحانی اثرات سب ہی تو ہیں جو اس درخت پر اثر انداز ہوتے

ہیں۔ دنیاوی باتیں بھی اور آخرت کا منظر بھی کیونکہ اس کی جڑیں کچھ تو قبرستان کے اندر قبروں میں داخل ہو جاتی ہیں اور کچھ قبرستان کے باہر کی دنیا میں داخل ہو جاتی ہیں اس لئے اس میں آخرت اور دنیا دونوں کے ملے جلے اثرات ہیں۔

یہاں ایک کیس یاد آ گیا۔ وہ کوئی ۱۴ - ۱۵ برس کا نوجوان لڑکا تھا۔ شب برات کو شب اپنے دوستوں کے ساتھ کسی قبرستان میں فاتحہ پڑھنے گیا تھا اور وہاں ڈر گیا صبح اسے سخت بخار ہوا۔ اور بخار میں غفلت کی حالت میں وہ قرآن کی آیتیں سنایا کرتا تھا۔ جلدی جلدی حالانکہ اس کو قرآن پڑھنے آتا ہی نہ تھا۔ اس لئے مولوی اور عاملوں کو بلوایا گیا۔ لیکن جب کوئی مولوی یا عامل دعا کے وقت کوئی سورہ یا آیت پڑھتا تو اس کے ساتھ ہی وہی آیت وہ خود بھی پڑھنے لگ جاتا تھا اور ان سے کہیں زیادہ جلدی۔

جب میں نے اس کو دیکھا تو وہ اسٹرامونیم لگا۔ اسٹرامونیم طاقت تیس نمبر۳۰ کی چند خوراکوں سے نہ صرف یہ کہ اس کا بخار اُتر گیا۔ بلکہ اس کی ذہنی حالت بھی بحال ہو گئی۔ یہاں یہ بات بتانا مقصود ہے کہ آخر بیماری کیا ہے۔ کیا یہ بیماری کسی جراثیم سے ہوتی ہے۔ جراثیم تو ایک معمولی کیڑا ہے۔ اس بیچارے کو مت مارو، کیونکہ بیماری کا وجود کائناتی سطح پر ہوتا ہے۔ وہ مولوی جو اس نوعمر لڑکے کا علاج کر رہے تھے انھیں میری موجودگی ناگوار گذر رہی تھی۔ ان میں سے ایک مولوی صاحب بولے۔ ڈاکٹر صاحب آپ جاؤ یہ آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔

ایک اور کیس یاد آ رہا ہے۔ یہ ایک نوجوان تھا۔ وہ اپنے گاؤں سے شہر آیا تھا اور یہاں سخت محنت مزدوری کیا کرتا تھا۔ لیکن نماز کا پابند تھا۔ اس کا مسئلہ تھا

کہ اس کو یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ گر جائے گا۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکے گا۔ یہی وجہ تھی کہ جب نماز کے لئے مسجد جاتا تو ایسی جگہ تلاش کرتا کہ جہاں دیوار کا سہارا ہو۔ وہ دیوار سے بالکل لگ کر نماز پڑھا کرتا تھا تاکہ اگر گرا تو اسے دیوار سنبھال لے گی۔

اس کے تیور بڑے جوشیلے تھے۔ تھوڑی دیر بات چیت کے دوران میں اس کی دوا جان گیا تھا۔ اس کو پہچان گیا تھا۔ وہ اپنا علاج کروانے کئی ڈاکٹروں کے پاس جا چکا تھا۔ ڈاکٹر اس کی بات سنتے اور ہنس دیتے تھے۔ ایک بڑے اور قابل ڈاکٹر نے اس کو یہ مشورہ دیا تھا کہ میاں جب تم گر جاؤ تب ہمارے پاس آنا۔ مطلب یہ کہ اس کے بعد ہی تم بیمار سمجھے جاؤ گے۔

یہ کیوں بیمار پڑ گیا۔ ایک ہومیو پیتھ جو اپنے مریضوں کے ساتھ بات چیت میں اتنا وقت لگاتا ہے۔ دراصل وہ سب کچھ جاننا ہی تو چاہتا ہے۔ بیماری کیا ہے؟ اور اس کا سبب کیا ہے؟ اس کے بعد ہی شفا ممکن ہے۔ خدا کا قانون ہر بچے پینچیدے کی سمجھ میں نہیں آتا۔

یہ اس نوجوان کا احساس تھا کہ وہ گر جائے اور یہی اس کی بیماری تھی۔ مگر! افسوس کہ جدید دور میں جدید معالج بیماریوں کی تشخیص لیبارٹری کی رپورٹوں کے مطابق کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ باقی سب کچھ ان کے مطابق اس مریض کا وہم ہوتا ہے۔ اور دراصل وہم ہی تو بیماری ہے؟ اگر آپ کا ذہن کسی بیماری کا اثر قبول کرنا نہیں چاہتا تب آپ کسی بھی طرح اس بیماری سے متاثر نہیں ہو سکتے۔ علاوہ ازیں آپ اس کے خوف سے اپنا ذہن بیدار رکھتے ہیں تب وہ آپ پر ضرور اثر انداز ہو گی۔

یہ نوجوان ان دنوں اپنے وطن کے آبائی گاؤں میں تھا۔ اس کے گاؤں میں اکثر دو پارٹیاں

ہوا کرتیں جبکہ شہروں میں کئی۔ ہاں تو دوسری پارٹی والوں نے اس کے ماموں کا قتل کر دیا قتل کے وقت وہ وہاں موجود تھا۔ اس کے کفن دفن کے وقت بھی موجود تھا۔ کچھ دنوں بعد تک وہ اپنے گاؤں میں رہا، اور پھر اس کے بعد شہر آ گیا۔ لیکن شہر میں وہ بیمار پڑ گیا اس کی بیماری یہی تھی کہ اس کو احساس لگا رہتا تھا کہ وہ گر جائیگا

ذرا غور کیجیے کہ گر جائے گا۔ اسی ڈر سے وہ کہیں آتا جاتا نہ تھا کسی کام کے لئے بھی آنے جانے سے کتراتا تھا۔ وہ بیمار ہی تو ہو گیا تھا۔ یہ نوجوان بھی اسٹرامونیم کا مریض تھا اسٹرامونیم طاقت تیس میں صرف ایک خوراک دی گئی۔

اس دوا کا سب سے زیادہ اثر دماغ پر ہوتا ہے۔ جس صحت مند اشخاص نے اس زہر کو کھا کر تجربے میں حصّہ لیا۔ ان پر یہ علامتیں واضح تھیں۔ سب سے اہم اور خاص بات یہ تھی کہ سب میں خوف اور ہذیان طاری ہوا۔ وحشیانہ ہذیان، لگاتار بکواس کرتے رہنا، چلانا، بار، بار دعائیں مانگنا، چہرہ سرخ لال بھبھوکا۔ آنکھیں چمکدار اور غصیلی۔ مختلف پہلوؤں سے لیٹے، مختلف پہلوؤں سے بات کرے۔ بار بار جگہ بدلے اور بھاگ نکلنے کی تلاش میں ہو۔

دوسری خاص بات اکیلے رہنے سے ڈر۔ لہٰذا آدمیوں کے درمیان رہنا چاہے اندھیرے سے ڈر۔ ہر چمکدار شے سے ڈر۔ پانی سے ڈر۔ بارش سے ڈر۔ کتے سے ڈر، بلّی سے ڈر۔ آئینہ سے ڈر۔ اپنے آپ کو کوسے اپنے آپ کو بُرا کہے۔ اپنے سے کمزور پر جبر کرے۔ اپنے سے طاقتور کے سامنے گھگھیائے۔ منتیں سماجتیں کرے اور اس کا مریض اگر اپنے عشق میں ناکام و نامراد ہوتا ہے تو اپنی محبوبہ پر تیزاب پھینکتا ہے۔ اس کو زندہ جلا ڈالتا ہے اور بعد میں خود بھی مر جاتا ہے۔

مطلب یہ کہ اپنے سے کمزور کو قتل کرنے میں کوئی عار نہیں، لیکن اپنے سے طاقتور کے سامنے اس کا پیشاب نکل جاتا ہے۔ وہ ڈر سے تھر تھر کانپتا ہے اور مدد کے لئے دوسروں کو کس کر پکڑتا ہے۔ ایک طرف ڈر ہے اور ایک طرف جنون، ایک طرف بزدلی تو دوسری طرف روشنی سے خوف۔ پل میں ہنسے، پل میں روئے۔ پل میں قسمیں کھائے۔ اور پل میں وہی بات کرے۔ پل میں زور آوری کرے اور پل میں گھگھیائے۔ غرض یہ کہ دہری شخصیت ہے! ایسا کیوں ہے؟

ہم پہلے ہی بتلا چکے ہیں کہ یہ درخت قبرستان کے احاطے میں ہوتا ہے۔ قبرستان کے در و دیوار پر ہوتا ہے۔ یعنی ایک طرف قبرستان کے اندر، موت اور دوسری طرف قبرستان کے باہر زندگی۔ پس یہ زندگی اور موت کا رقص اسی لئے یہ نفرت اور محبت اسی لئے۔ ہمارے سماج، ہماری سوسائٹی میں اسٹرامونیم کے کیس بہت ملیں گے اور ہر برس ان میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ ایسا کیوں؟

ہماری سوسائٹی پر جو اسٹرامونیم کا پاگل پن سوار ہے کیا یہ سب نے دھتورا کھا رکھا ہے؟

یہ ڈیویژن، یہ تعصب، یہ آئے دن کے فسادات، یہ حیوانیت و درندگی کا ناچ یہ میں اور تم کا فرق، یہ حقارت و نفرت کا بازار، یہ سب ماڈرن تہذیب کی دین ہے ماڈرن طریقۂ علاج کی دین ہے۔

آج بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بھی مادر رحم سے نہیں بلکہ پیٹ کو چیر کر نکالا جاتا ہے زچگی کا یہ طریقہ رائج ہے۔ پیٹ کاٹ کر بچہ کو ڈاکٹر نکالتا ہے دوسرے ہی لمحہ اس کو اُلٹ کر کے گرم پانی کے چھینٹے مارے جاتے ہیں تاکہ بچہ روئے، مطلب یہ کہ پیدا ہونے

کے ساتھ اسکو ماں کی ممتا نصیب نہیں ہوتی بلکہ گرم پانی کے چھینٹے ملتے ہیں اور پیٹ بھرنے کے لئے گلوکوز کا پانی۔

اگر ایسے بچے سے آپ اپنی محبت و شفقت کی امید رکھتے ہیں تو یہ آپ کی ناسمجھی ہے خود بچہ جب اپنی ماں کے لئے محبت کا جذبہ نہیں رکھتا۔ تب وہ دوسرے کی ماں کے لئے ہمدردی کا جذبہ کیوں کر رکھے گا!

سرخ اور زرد

میری ناکامیوں کا سلسلہ یہاں پر ختم ہو رہا ہے۔ یہ آخری کیس ہے۔ میری سب سے بڑی کامیابی کے بعد بڑی ناکامی کا کیس۔ میں اس کو ناکامی کے ساتھ ساتھ اپنی بدقسمتی بھی تصور کرتا ہوں۔ شائد اللہ کو یہی منظور تھا۔ وہ ایک زرد رنگ کی بچی تھی بالکل سونے کی طرح زرد وہ ایک ایسے بھائی کی بہن تھی جس کے دانت سرخ تھے پہلے اس بھائی کی بات کروں گا۔

وہ اپنے والدین کا پہلا بچہ تھا۔ عمر اس وقت کوئی چار سال کی تھی اور اس وقت وہ چھ سال کا ہو گا۔ سعودی عرب کے ایک شہر میں یہ خاندان رہتا تھا۔ بچہ بڑا خوبصورت تھا۔ اس کا پہلا برتھ ڈے ماں باپ نے بڑی دھوم دھام سے منایا لیکن پہلی سالگرہ کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر ایک سرخ دانہ نکل آیا۔ دوسرے روز اس کے جسم پر اسی طرح کے دو ایک دانے اور نکل آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا تمام جسم اس طرح کے دانوں سے بھر گیا۔ دانوں میں بے انتہا خارش ہوتی تھی۔ خارش کے ساتھ وہ پھوٹتے تھے۔ پکتے تھے۔ ان میں پھپھولے ہوتے تھے اور خشک ہو کر سیاہ پڑ جاتے تھے۔ اسے چوٹ لگتی تو جلد پھٹ جاتی۔ مگر خون بہت کم نکلتا۔ زخم بالکل سفید نظر آتا

لیکن پیشاب خون کی طرح ہوتا، پاخانہ خون کی طرح ہوتا۔ کبھی الٹی ہوتی تو اس میں بھی خون ہوتا
اس کے چہرے پر ہلکے ہلکے بال نکل آئے تھے اور دھوپ کی گرمی سے چہرہ جھلسا ہوا
تھا اسے دھوپ قطعی برداشت نہ ہوتی تھی۔ اس کے جسم کی تمام جلد گرمی کی شدت سے
جھلس جاتی تھی۔ اُسے روشنی قطعی برداشت نہ تھی۔

دراصل اس کا مرض روشنی سے شدت اختیار کرتا تھا۔ تیز روشنی۔ اس کے پہلے
برتھ ڈے پر کیمرے کی فلیش سے نکلنے والی تیز روشنی اسے بیمار کرتی رہی۔ آخر ایسا
کیوں تھا۔؟

ڈاکٹروں کے لئے یہ مسئلہ تھا۔ شروع شروع میں اس کا علاج جدہ کے بڑے
اسپتال میں ہوا۔ امریکی و عربی ڈاکٹروں کا میڈیکل بورڈ بیٹھا اور اس کی بیماری پر تبادلۂ
خیال ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس بچے کو جو مرض تھا اس کا علاج کچھ نہ تھا۔ روشنی اس کے لئے
مضر تھی۔ مگر اس کو کسی اندھیری کوٹھری میں تو بند نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لہٰذا ایک ڈاکٹر نے
انھیں یہ مشورہ دیا کہ اسے ہندستان لے جاؤ اور وہاں ہومیوپیتھک علاج کراؤ۔

اسطرح یہ بچہ ہندستان آیا۔ اور اتفاق سے میرے زیرِ علاج آیا۔ ڈرا ڈرا سا
سہما سہما اپنی ماں سے کس کر چپٹا ہوا تھا۔ غالباً ڈاکٹروں نے علاج اور جانچ کے
دوران اسے کافی زحمت پہنچائی تھی۔ اس کے بے حساب ٹسٹ ہوئے تھے۔ تب جا کر
اس کا یہ عجیب و غریب مرض تشخیص کیا جاسکا تھا۔ ایسا مرض جو کئی کروڑ انسانوں میں
سے کسی ایک کو ہوتا ہے۔ یہ خون کے نظام کی خرابی کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ کچھ ایسا
نایاب و نادر مرض ہے کہ ساری دنیا میں اس کے مریضوں کی تعداد انگلیوں میں گنی جاسکتی ہے۔
اس مرض کا نام ہے Congental Erythropoitic porphyria

مختصراً اسے آپ پرفائیرُ یا کہہ سکتے ہیں۔ پرفائیریا کی بیماری کیوں ہوتی ہے؟ یعنی
وہ بیماری جس میں روشنی سے تکلیف ہوتی ہے۔ جس میں روشنی کی برداشت بالکل ہی
نہیں۔ دھوپ کی روشنی، بلب کی روشنی، آگ کی روشنی یعنی کسی بھی طرح کی روشنی کی کرنیں
اس کے مرض میں اضافہ کرسکتی ہیں۔ ڈاکٹر و ماہرین اس مرض کے اسباب میں اپنی اپنی اٹکل
پیش کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک اٹکل یہ بھی ہے کہ نزدیکی رشتے میں شادی۔ اتفاق سے اس
بچے کی ماں اور باپ کی نانیاں جڑواں بہنیں تھیں۔ اس کی پیشاب میں سرخ رنگ ریزے نکلتے تھے۔

اس کے تمام جسم پر بڑے بڑے آبلے تھے۔ جو خشک ہونے کے بعد سیاہ پڑ جاتے
تھے اس کی تمام جلد جگہ جگہ سے کٹی پھٹی اور بدنما تھی۔ چہرہ بالوں کی وجہ سے بن مانس
کا سا لگتا تھا۔ وہ گوری رنگت والا بچہ تھا۔ مگر داغ اور دھبوں کی وجہ سے ایک
عجیب الخلقت نظر آتا تھا۔ اس کا پیٹ پھولا ہوا تھا۔ جگر و تلی بڑھے ہوئے تھے
اس کے پیروں کی ہڈیاں ٹیڑھی تھیں اور دانت سرخ تھے۔

پیشاب میں بدبو بہت زیادہ ہوا کرتی تھی۔ اس کے دانت پتلے اور
نوکیلے تھے جن کی وجہ سے وہ اور زیادہ خوفناک دکھائی دیتا تھا۔

یہ بچہ قریب دو سال میرے زیرِ علاج رہا اور خدا کے فضل و کرم سے ہر طرح سے
شفایاب ہوا۔ صحت یاب ہوا۔ اس بچے کے علاج میں جو اہم دوا استعمال ہوئی وہ
صرف ایک خوراک دوا تھی۔ جی ہاں ایسا عجیب و غریب مرض ایک خوراک دوا
سے ٹھیک ہوا۔ والدین اپنے وطن لوٹ گئے۔ اس دوران ان کے یہاں یہ بچی پیدا
ہوئی۔ یہ بالکل سونے کی طرح پیلی تھی۔ عجیب بات تھی یہ بھی پیدائشی مرض کا شکار تھی
ڈاکٹروں کے خیال سے اس کے جگر کی نالی بند تھی جس کے لئے آپریشن ضروری تھا

لیکن، آپریشن سے پہلے ایک اور آپریشن ضروری تھا جس سے صرف یہ جانا جا سکے کہ آپریشن کرنا کس بات کا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس آپریشن کے بعد بچی ٹھیک ہو گی یا نہیں۔ اس کا امکان بہت کم تھا۔ ایک طرف آپریشن نازک کہ جس میں جان کا خطرہ تھا دوسری طرف کامیابی کا امکان کم، یہ وہ باتیں تھیں کہ والدین کو ہومیو پیتھی طریقۂ علاج پر انحصار کرنا پڑا۔

اس کے خون میں صفرا بہت زیادہ تھا اسی وجہ سے وہ پیلی ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں پیلی، ناخن پیلے اور پیشاب پیلے۔ لیکن پاخانہ کبھی نارمل کبھی سفید ہوتا تھا اہم بات یہ تھی کہ وہ پیدائش سے ایسی نہ تھی بلکہ پیدائش کے کچھ روز بعد سے اس کے خون میں یرقان کے اثرات رونما ہوئے تھے۔

ایک ہومیو پیتھ کے لئے رپورٹوں کی اہمیت بہت کم ہوتی ہے۔ لیکن مشاہدہ کی بہت زیادہ۔ مشاہدہ ہی تو ہے جو اس دوا کی پہچان کراتا ہے اور پھر دوا مرض کی نوعیت کو ظاہر کر دیتی ہے۔ لہٰذا مریض جو کچھ کرتا ہے۔ جو کچھ بتاتا ہے اور جس طرح اس کا اظہار کرتا ہے ان سب باتوں کا مشاہدہ ضروری ہے۔ اس کے مرض کو سمجھنے کے لئے ــ ہومیو پیتھی میں یہ تو ہے نہیں کہ ایک آپریشن اس لئے کیا جائے کہ پیٹ کھول کر دیکھنا ہے اور پھر کوئی رائے قائم کی جائے۔ ایک ہومیو پیتھ، مرض کو اس کی علامتوں کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی سے مرض کی نوعیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور اسی سے اپنی رائے قائم کرتا ہے۔

بچی کی ماں نے ایک اہم اور خاص بات یہ بتائی تھی کہ بچی کا پاخانہ بعض اوقات اور اکثر اوقات تیل کی مانند اور پیلا ہوتا ہے۔ یہی اہم بات اس امکان کو رد کر دیتی ہے

جو دیگر ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ جگر سے نکلنے والی پتے کی نالی بند ہے۔ بچی کھجا کھجا کر بہت زیادہ ہلکان ہوتی تھی اور غصہ بھی۔ وہ اپنی ناک کو اس قدر کھجاتی تھی کہ کھجانے سے زخم بن گئے تھے۔

بچی دودھ برابر پیتی تھی۔ لیکن تکلیف کی وجہ سے پریشان رہتی تھی۔ اسے ایک لمحے کے لئے بھی قرار نہیں آتا تھا۔ میں نے ان دو علامتوں کو اہمیت دی۔ ایک پاخانہ تیل کی مانند اور دوسری کھجا کھجا کر ناک میں زخم، اور ماتھے پر زخم۔ دوا تھی آئیوڈیم جس سے بچی کو آرام آیا۔ اس کی حالت میں کافی بہتری آئی۔ جب دوا کام کرتی ہے تو وہ خود ہومیو پیتھ کو راستہ دکھاتی ہے۔ اور مرضی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے۔ جس سے مرض کی نوعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس دوا سے بچی کو کافی آرام آ گیا۔ اس کے پاخانے بہتر ہو گئے۔ اور ناک کی از حد خارش میں بھی کمی واقع ہوئی۔ جب آئیوڈیم سے فائدہ ہوا تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ممکن ہے کہ اس کے جگر و معدے کے درمیان کچھ بڑھے ہوئے غدود جگر کی نالی پر باہر سے رکاوٹ ڈالتے تھے۔ کچھ ہی دنوں میں بچی کھیلنے لگی، اور یوں لگا کہ صرف دوا سے وہ مکمل طور پر ٹھیک ہو جائے گی۔ لیکن کچھ روز بعد اس کو بخار آ گیا۔ کچھ روز ہم نے انتظار کیا کہ بخار کی گرمی سے بڑھے ہوئے غدود میں مزید کمی آئے۔ لیکن اس کا بخار بڑھتا ہی گیا اور اس میں دوسری دوا کی واضح علامتیں نمودار ہوئیں۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ پہلی دوا نے اپنا کام مکمل کر دیا ہے اب دوسری دوا درکار ہے۔ اس بار علامتوں کی روشنی میں فاسفورس درکار ہوئی۔ لہٰذا اُسے فاسفورس طاقت تیس میں صرف ایک خوراک دیا گیا۔ فاسفورس سے اس کا بخار قابو میں آ گیا۔

اور بچی دوبارہ صحت یاب ہونے لگی اور ہنسنے کھیلنے لگی ۔ حالانکہ اب بھی اس میں یرقان کی علامتیں تھیں ۔

فاسفورس جب دوا ہو اور اس سے فائدہ بھی ہو تب یہ بات واضح ہو جاتی ہے ۔ کہ بڑھے ہوئے غدود ٹی بی کے تھے ۔ لیکن اس طرح وہ بچی اور زیادہ بہتر ہونے لگی لیکن پھر بھی اس میں جو یرقان کی علامتیں تھیں وہ کم نہ ہوتی تھیں ۔ حالانکہ وہ کھیلتی تھی ۔ ہنستی تھی اور پیٹ بھر کر اپنی ماں کا دودھ پیتی تھی اور دھیرے دھیرے اب وہ نو ماہ کی ہو گئی تھی ۔

یہ ہومیو پیتھی کا بنیادی اصول ہے کہ جب کوئی دوا کام کر رہی ہو تو بلا وجہ دوا بدلنا نہ چاہیئے اور نہ ہی اُسے دہرانا چاہیئے ۔ اس لئے میں انتظار کر رہا تھا ۔ بیچ بیچ میں اس کی طبیعت کبھی بگڑتی اور خود سے سنبھل بھی جاتی ۔ رفتہ رفتہ والدین کو بھی اطمینان ہو چلا کہ اب آپریشن کی ضرورت نہیں ۔ پھر ویسے بھی آپریشن ایسے امراض کا علاج نہ تھا ۔

یرقان کی علامتوں کا نہ جانا اور بیچ میں اس بچی کی طبیعت کا بگڑنا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ یرقان کا سبب اور گہرا تھا ۔ اور اس مرض کی علامتیں اور جڑیں زیادہ گہری تھی ۔

کچھ دنوں کے بعد اس کی طبیعت پھر بگڑی اور واضح علامتیں ظاہر ہوئیں ۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ یرقان کا سبب بہت زیادہ گہرا ہے اور اس مرض کی جڑیں کافی مضبوط ہیں ۔ ایسے قدرتی امراض جو پیدائشی ہوں ایسے ہی ہوتے ہیں ۔ پہلی دو دواؤں نے اپنا کام مکمل کر دیا تھا اب کسی تیسری دوا کی ضرورت تھی ۔

ایسی دوا جس کی پکڑ ان دونوں دواؤں سے کہیں زیادہ ہو ۔ اور یہ بات کی طرف بھی اشارہ تھا کہ مرض ٹی بی یا جگر کی نالی کے بند ہونے تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اور زیادہ گہرا ہے ۔

قدرتی امراض اور ظاہری امراض کے فرق کو گذشتہ ابواب میں بیان کر چکا ہوں ۔ قدرتی امراض میازم یعنی خلط کی خرابی سے ہوتے ہیں ۔ جبکہ ظاہری امراض کا سبب کوئی بیرونی ہوتا ہے ۔

اس بار جو علامتیں تھیں وہ یہ تھیں کہ بچی داہنی کروٹ سو نہیں سکتی تھی اور اپنی فراک اپنے پیٹ کے اوپر سے ہٹا دیتی تھی گویا اس کے کپڑوں کا وزن بھی اسے بوجھ معلوم ہوتا تھا ۔ تیسری بات یہ علامت کہ خود یرقان تھا ۔ ان باتوں کی روشنی میں جو دوا ذہن میں آئی وہ دوا وہی تھی جو اس کے بھائی کو دی گئی تھی یعنی بھائی اور بہن دونوں کی دوا ایک ! ؟ ایک سرخ تھا اور دوسری زرد ۔ مگر دوا دونوں کی ایک کافی غور و خوض کرنے کے بعد میں نے وہی دوا دی ۔ دوا کا نام ہے ۔ کروٹلس ہوریڈس

اس دوا نے اپنا اثر دکھایا ۔ پہلے تو زبردست ری ایکشن ہوا ۔ جس کا مجھے خدشہ تھا ۔ لیکن جب مرض گہرا ہو تو ری ایکشن بھی بڑا ہوتا ہے ۔ تاکہ مرض کی جڑوں کو ہلا ڈالے اور مریض شفایاب ہو جائے ۔ ری ایکشن کی حالت میں بچی ایکدم گم سم ہو گئی اور اس کی دونوں آنکھوں سے خون نکل آیا ۔ یہ بڑی خوفزدہ کر دینے والی علامت تھی مگر میں مطمئن تھا چونکہ میں یہ جانتا تھا کہ یہی دوا اس بچی کو موت کے منہ سے نکال لے گی اور ایسا ہوا بھی ۔ دو روز کافی تگ و دو کا عالم رہا ۔ مگر تیسرے روز سے وہ ایکدم بہتر ہونا شروع ہو گئی اور اب اس کا یرقان بھی کم ہونے لگا ۔ اس کے ناخن سرخ ہونے

لگے۔ وہ ہنسنے کھیلنے لگی اور میں بہت خوش تھا اور میں خوش اس لئے بھی تھا کہ
میں طب کی دنیا میں ایک تاریخ مرتب کرنے جا رہا تھا۔ میں نے اس کے بھائی
اور اس کے تمام فوٹوز اور ریکارڈ سنبھال کر رکھے تھے۔ ہر اسٹیج کے اور خاص
بات یہی تھی کہ دونوں ایک ہی دوا سے ٹھیک ہوئے۔ میں عالمی سطح
پر ہونے والی طبی کانفرنس اور سیمینار میں ان دونوں کیس کو پیش کرتا اس
لئے میں اور زیادہ خوش تھا۔ مگر میری خوشی زیادہ دنوں برقرار نہ رہ سکی۔
بچی بالکل اچھی ہونے لگی تھی اور اس کے والدین اس کی خوشی میں نذر و
نیاز اور صدقہ کر رہے تھے۔ یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ کیونکہ
وہ خود بھی تو دیکھ رہے تھے کہ وہ دن بدن صحت یاب ہو رہی تھی۔ اسی درمیان
میں میں نے اپنا مکان بدل دیا۔ میرے نئے مکان میں ٹیلی فون نہ تھا اور اسی
درمیان اس بچی کی طبیعت بگڑ گئی۔ دراصل ہوا یہ تھا کہ اس کے والدین نے
خوشی کے عالم میں اسے سب کچھ کھلانا شروع کر دیا تھا اور وہ اُسے ہضم
نہ کر سکی۔ وہ بیمار پڑ گئی۔ دو روز تک وہ بیمار رہی اور اس کے والدین مجھ سے
رابطہ قائم نہ کر سکے۔ اور جب رابطہ قائم ہوا تب وہ بہت زیادہ جان کنی کی
حالت میں تھی۔ میں نے جب اُسے دیکھا تو فوراً اسپتال میں داخل کروایا تاکہ
اس کی حالت میں کچھ بہتری آ سکے۔ اس وقت اس کی حالت بہت خراب تھی
وہ بہت بے چین تھی۔ بے چینی کے عالم میں تڑپ تڑپ کر نڈھال ہو جاتی تھی
دو روز تک اس کو مروڑ کے ساتھ دست ہوئے تھے۔ یہ ساری علامتیں ظاہری
مرض کی تھیں۔ مگر میں یہ سمجھا کہ قدرتی مرض نے زور دکھایا ہے۔ ظاہری مرض

کی طرف میرا دھیان اس لئے بھی نہ گیا کہ والدین نے مجھے اس بات سے لاعلم رکھا تھا
کہ وہ اُسے سب کچھ کھلا رہے تھے۔
بہرکیف یہ موجودہ بھونچال تھا۔ وہ قدرتی مرض کا نہ تھا بلکہ اس وجہ سے تھا
کہ اس ننھی سی بچی کو سب کچھ کھلایا جا رہا تھا۔ کاش یہ بات اس کی ماں نے بتلائی
ہوتی تو میں اُسے اسپتال میں داخل ہی نہ کرتا۔ میں اُسے آرسینک دیتا اور اس
کا ظاہری مرض قابو میں آ جاتا۔
مگر ایسا نہ ہوا۔ میں اندھیرے میں تھا۔ میری کامیابی۔ ناکامیابی بن چکی تھی۔
میں نے اس کی بچی کو اسپتال میں اس لئے داخل کر دیا تھا کہ تھوڑا وقفہ مجھے مل جاتا
میں اور غور کرتا اور اُسے دوا دیتا۔ مگر جو بچی ہومیوپیتھی کی دواؤں کے سہارے
کئی مہینوں سے جی رہی تھی وہ ایلوپیتھی کے بڑے اسپتال اور بڑے ڈاکٹروں
کی نگرانی میں کچھ لمحے بھی نہ جی سکی۔
وہ مر گئی اور میں اس کی دوا اپنی جیب میں رکھے اس اسپتال کے دروازے
کے باہر کھڑا رہا۔ یہ میری ناکامیابی تھی یا بدقسمتی میں اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔
ہاں اس دوا کے بارے میں دو لفظ ضرور کہوں گا۔ کروٹلس ہورائیڈس
ایک سانپ کا زہر ہے اور یہ دواخون کے کینسر۔ پیٹ کے کینسر کی اہم ترین دوا
ہے۔ بشرطیکہ اس کی علامتیں اس مریض میں ہوں۔
آج پیٹ کے کینسر کے بہت سے مریض اس سانپ کے زہر سے ٹھیک
ہو سکتے ہیں۔ وہ بچی بھی اس سانپ کے زہر سے ٹھیک ہو گئی تھی۔ لیکن اس
کو کھانے پینے کی دیگر اشیاء نے مار ڈالا۔

میری ناکامیاں .... ! ؟

اور ہومیوپیتھی کی کامیابیاں ؟

ہاں تو قارئین ! اب میں ناکامیوں کی بات نہیں بلکہ کامیابیوں کی بات کروں گا کامیابیاں اللہ کی طرف سے انعام ہوتی ہیں اس لئے میں اسے اپنی کامیابی نہیں بلکہ ہومیوپیتھی کی کامیابی سمجھتا ہوں۔

ہومیوپیتھی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ لہٰذا ہم نے ناکامیاں اپنے سر لی ہیں مگر کامیابیوں کو ہومیوپیتھی کے نام کر دیا ہے اور ان کامیابیوں کی شروعات اپنے استاد محترم کے ایک کیس سے کروں گا جن کو اپنا استاد مانتا ہوں۔ انھوں نے مجھے ہومیوپیتھی سکھائی نہیں ہے۔ البتہ ہومیوپیتھی کو سمجھنے کے لئے ایک راہ دکھائی ہے۔ ایک روشنی دی ہے بس اسی روشنی سے اپنا راستہ بناتا ہوں اور اللہ تعالیٰ میری رہنمائی کرتا ہے۔ میں خود کچھ نہیں ہوں۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

ہاں تو یہ کیس میرے استادِ محترم کا ہے۔ میرے استاد ڈاکٹر ای جی کے مینن ہیں۔ استاد کی ہومیوپیتھی کی گرفت کا اندازہ اس کیس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ ہومیوپیتھی ایک فن ہے اور فن اسی کو آتا ہے جس کی رہنمائی خدا خود کرتا ہے

وہ ایک بڑے تاجر کی بیوی تھی اور ایک بڑے اسپتال میں زیرِ علاج تھی۔ اس کا آپریشن ہوا تھا۔ لیکن آپریشن کے بعد ہوش میں نہیں آئی تھی۔ اس کی بے ہوشی کو تقریب دس بارہ روز ہو چکے تھے۔ بڑے بڑے ڈاکٹر اس کا علاج کر رہے تھے۔ ہر ممکن طریقوں کے باوجود وہ ہوش میں نہ آ سکی تھی۔

آخر میں ڈاکٹر مینن سے رجوع کیا گیا۔ ڈاکٹر مینن نے اس مریضہ کے لئے ایک دوا تجویز کی جس کو طاقت تیس میں ہر دو گھنٹے سے دینا تھا۔ چار پانچ خوراکوں کے بعد اس مریضہ کو آٹھ گھنٹوں میں ہوش آ گیا۔

اسپتال کے ڈاکٹر بڑے خوش تھے وہ اسے اپنے علاج کا کرشمہ سمجھ رہے تھے اور اس خوشی میں انھوں نے ڈاکٹروں کی ایک کانفرنس بلائی۔ اس تاجر نے کہا کانفرنس میں ڈاکٹر مینن کو بھی بلایا جائے، یہ سن کر ان ڈاکٹروں کی ساری خوشی کافور ہو گئی اور جھینپ مٹانے کے لئے انھوں اس کانفرنس کو منسوخ کر دیا۔

یہ ان ڈاکٹروں کے ذہنی دیوالیہ پن کا ثبوت تھا۔ بیچارے بدقسمت تھے ورنہ ان کی معلومات میں ایک اور اضافہ ہوتا اور وہ بھی اس دوا کے استعمال سے واقف ہو جاتے۔

کیا آپ جانتے ہیں وہ دوا کیا تھی ؟ میں جانتا ہوں کہ آپ نہیں جانتے۔ دوا کا نام ایسٹک ایسڈ۔ Acetic Acid عام زبان میں جس کو سرکہ کہتے ہیں۔ جی ہاں، سرکہ سرکہ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ انیستھیسیا (آپریشن کے لئے بے ہوش کرنے والی دوا) کے بداثرات کو زائل کر دیتا ہے۔ یوں اس طرح مریضہ ۱۲ دنوں بعد ہوش میں آ گئی اور اس کی صحت بحال ہو گئی۔

یہ میرے استاد کا کیس تھا اور اب اپنے شاگرد کا کیس بتانا چاہوں گا۔ یہ میرا غائبانہ شاگرد ہے۔

ایک مریض کے جسم میں بڑے بڑے مسّے تھے اور بہت زیادہ بدنظر آتے تھے اس مریض کی ایک عادت تھی وہ جب گھر میں ہوتا تب ذرا ذرا سی بات کے لئے بیوی پر حکم چلایا کرتا تھا اور بیوی کے پوچھنے پر کہتا، مرد کا کام ہی ہے حکم چلانا۔ Dictator

اس نے میری تمام تصانیف کا بڑی باریکی سے مطالعہ کیا تھا اور انھیں سے روشنی لے کر اور اپنی سمجھ بوجھ سے اس نے اس مریض کی صحیح دوا تشخیص کی۔ دوا ایک خوراک دی گئی طاقت دو سو میں۔ ایک ہفتہ بعد اسے پھر دہرائی گئی ایک خوراک اسی طاقت میں۔

دوا کا اثر حیرت انگیز طور پر ہوا۔ کچھ ہی دنوں میں اس کے بے شمار اور بے حد بدنما مسّے یکے بعد دیگرے جھڑ جھڑ کر گر گئے۔

آپ بھی سوچئے کہ دوا کیا تھی اور اس سے پہلے سوچئے کہ علامت کیا تھی؟ ہومیوپیتھی بس اسی سمجھ بوجھ کا کام ہے۔ آج مسّوں کے لئے جلدی امراض کے اکثر ڈاکٹر ہومیوپیتھی کی ایک دوا تھوجا لکھ دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ تھوجا ہومیوپیتھی کے مسّوں کی دوا ہے۔ وہ دوا کو ان کے امراض کی مناسبت سے جانتے ہیں۔ تھوجا کچھ ایک مریضوں کے مسّے ضرور گرا دے گا سب کے نہیں جو تھوجا کا مریض ہوگا۔ تھوجا اسے ہی فائدہ پہنچائے گا، سب کو نہیں۔

جس مسّوں کے مریض کا یہاں تذکرہ کیا گیا اس کے جسم پر پچاس ساٹھ مسّے تھے وہ بہت زیادہ بدنما نظر آتا تھا، اسے دیکھنے سے کراہت ہوتی۔ لیکن یہی مریض گھر پر بادشاہت کرتا تھا۔ ذرا ذرا سی بات کے لئے بیوی پر حکم چلایا کرتا تھا۔ اسے پانی لاؤ، اسے یہ اٹھاؤ، اسے پانی گرم کرو۔ اسے بستر لگاؤ —

لگاؤ۔ وغیرہ وغیرہ اور پوچھنے پر کہتا کہ مرد کا کام ہی ہے حکم چلانا۔ اب آپکی باری ہے۔ اب آپ غور کیجئے کہ اس مریض کے مسّے کس دوا سے ٹھیک ہوئے۔

اس درمیان میں اپنے اس شاگرد کا تعارف کرانا چاہوں گا۔ ایک روز وہ اپنے کسی مسئلے کے لئے میرے پاس آیا تھا۔ اس نے اپنا تعارف دیا کہ وہ ہمارا شاگرد ہے۔ میرے بیشمار غائبانہ شاگردوں میں سے ایک۔ اس کے والد کی کچھ ٹیکسیاں چلتی ہیں اور وہ انھیں کا حساب کتاب دیکھتا ہے اور فرصت کے اوقات میں ہومیوپیتھی سیکھتا ہے۔

یہاں اس معاملہ میں اگر امتحان لینا چاہوں تو شاید بڑے بڑے کہنہ مشق اور مستند ہومیوپیتھ بھی فیل ہو جائیں گے کہ اس مریض کی دوا کی تشخیص کیا؟ لہٰذا اب سیدھے اس دوا پر آتا ہوں۔ دوا کا نام ہے سلفر Sulphur اور علامتیں دو ہیں ایک اس قدر بدنما کر دیکھا نہ جائے اور دوسری علامت دماغ آسمان پر۔ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھے۔

اکثر لوگوں کو ہومیوپیتھی کے تعلق سے الجھن ہے۔ کچھ لوگ تو اس انتظار میں ہوتے ہیں کہ جب ان کے مرض کا تذکرہ آئے گا۔ تب ڈاکٹر صاحب سے دوا پوچھیں گے۔ آج بازاروں میں ہومیوپیتھک دواؤں کے پیٹنٹ نسخوں کی بھرمار ہے اور لوگ جوق در جوق ان کی طرف کھینچے چلے جا رہے ہیں اور اصل ہومیوپیتھی سے دور —

ہمارا یہ شاگرد فرصت کے اوقات میں جاسوسی ناولیں پڑھا کرتا تھا اور جب اس نے اس کالم کو پڑھنا شروع کیا تو یہ کالم اس کو ان ناولوں سے زیادہ دلچسپ لگا۔ کیس کی گتھیاں سلجھانا گویا جاسوسی کرنا لگا۔ اس وجہ سے ہومیوپیتھی میں وہ اور بھی زیادہ دلچسپی لینے لگا۔

بیماری ایک چور ہی تو ہے مگر اس چور کا پکڑنا آسان نہیں۔ جاسوسی ناولوں میں

سارے کردار فرضی ہوتے ہیں اور کیس کی گتھیاں اس کے مصنف کے ذہن کی اپج ہوتی ہیں۔ اس کا بنایا ہوا خاکہ۔ لیکن بیماریاں ذہن کی اُپج نہیں ہوتیں بلکہ حقیقت

جاسوسی ناولوں کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ اتفاق سے جاسوسی ناول کی تخلیق کا رشتہ کسی طرح طب سے جڑا ہوا ہے۔ جاسوسی ناولیں سب نے اپنی عمر کے کسی نہ کسی دور میں ضرور پڑھی ہیں۔ البتہ بہت کم جاسوسی ادب کی حقیقت سے واقف ہیں۔ اس سلسلے میں شرلاک ہومز پہلا جاسوس تھا۔ یہ کردار لوگوں کے ذہنوں میں کچھ اس طرح سے چھایا ہوا تھا کہ آج بھی اکثر یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ شرلاک ہومز کوئی فرضی نام تھا۔ شرلاک ہومز کے ناولوں نے دنیا بھر میں دھوم مچا رکھی ہے۔ جاسوسی ادب کا سب سے پہلا ناول بھی یہی ہے اور اس کا مصنف جاسوسی ادب کا محقق ہے کیونکہ اس کے پہلے کی ناولیں زیادہ تر پیار و محبت کے افسانوں پر مشتمل ہوتی تھیں یا جرأت و بہادری کی داستانوں پر

ہم اوپر یہ بتا چکے ہیں کہ جاسوسی ناولوں کی تخلیق کا رشتہ کسی طرح طب سے جڑا ہوا ہے لہٰذا اس کی وضاحت بھی ضروری ہے اور پھر قارئین ہمارے مزاج سے واقف ہیں کہ ہم جس رو میں بہک جائیں تو پھر اس کی تہہ تک اُترتے ہیں۔

ہاں تو شرلاک ہومز کے نام سے تو ساری دنیا واقف ہے۔ مگر افسوس کہ اس کے تخلیق کار کو یعنی اس ناول کے مصنف کو بہت کم لوگ جانتے ہیں اور اس سے بھی کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ وہ کون تھا؟ کیا تھا؟ کیوں اور کن حالات میں اس نے یہ ناولیں لکھنا شروع کیں۔

شرلاک ہومز کے کردار کا مصنف ایک ڈاکٹر تھا۔ ایک ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ڈاکٹر۔ اس کا نام آرتھر کونن ڈائل تھا۔ لندن کے ایک علاقے میں جہاں وہ پریکٹس کرتا تھا بہت

کم لوگ بیمار پڑتے تھے۔ اس لئے اس کی پریکٹس بہت کم تھی۔ بڑی مشکل سے وہ اپنی گذر بسر کیا کرتا تھا۔ اس کی اتنی آمدنی بھی نہ تھی کہ وہ ایک ملازم رکھ سکتا۔ لہٰذا اپنے مطب کی صاف صفائی کا کام وہ خود ہی انجام دیا کرتا تھا۔ وہ بہت صبح تڑکے میلے کچیلے کپڑے پہن کر مطب میں آتا۔ مطب کی صاف صفائی کرتا۔ اور پھر گھر چلا جاتا۔ اس کے بعد مطب کے اوقات میں ڈاکٹر بن کر آتا۔

چونکہ اس کی پریکٹس بہت کم تھی اس لئے اس کے پاس وقت ہی وقت تھا اور یوں اس طرح فرصت کے اوقات میں شرلاک ہومز کی تخلیق ہوئی اور جرائم اور اس کی چھان بین پر مشتمل یہ ناول ہاتھوں ہاتھ بکے اور ایک انجان ڈاکٹر ایک مشہور مصنف بن گیا۔

مگر ابھی ہماری بات واضح نہیں ہوئی ہے کہ دنیا کی پہلی جاسوسی ناول کی تخلیق کس طرح طب سے جڑی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر آرتھر کونن ڈائل کی زندگی کا اگر باریکی سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دراصل وہ اپنے ایک اُستاذ جو کہ اسے میڈیکل کالج میں طب کا درس دیا کرتے تھے اور بہت کامیاب معالج تھے وہ ان سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ خود ڈاکٹر کونن ڈائل نے اس کا اعتراف کیا ہے اور لاشعوری طور پر وہ انھیں پروفیسر کو شرلاک ہومز کے کردار میں نکھارتا رہا۔

وہ پروفیسر کچھ شعبدے باز قسم کا معالج تھا۔ بالکل کچھ ان حکیموں کی طرح جن کے بارے میں یہ باتیں مشہور ہو گئیں کہ فلاں حکیم صاحب نے مریض کی نبض دیکھ کر یہ بتا دیا کہ اس نے کیا کھایا تھا۔ حکیموں کی یہ شعبدہ بازی مریضوں کو بہت متاثر کرتی ہے حالانکہ اس کی وجہ بہت آسان ہوتی ہے مگر مریض اسے معالج کی قابلیت سے منسوب کرتا ہے مثال کے طور پر کوئی حکیم کسی مریض کو دیکھنے جاتا ہے اور مریض کی چارپائی کے نیچے اس

کو کوئی سنترے کا خشک چھلکا نظر آجاتا ہے۔ کچھ دیر مریض کی نبض دیکھنے کے بعد اور غور کرنے کے بعد وہ حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ میاں تم نے سنترے کچھ زیادہ کھائے تھے اس وجہ سے بیمار پڑ گئے اب اتفاق سے اگر مریض نے سنترے کھائے تھے تب تو وہ ان کا مرید ہو اُٹھا

ایک زمانے تک ایسے شعبدہ باز حکیموں کی افراط تھی وہ حضرات اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق اٹکل لگایا کرتے تھے اور وہ اپنے فن میں اس قدر ماہر تھے کہ دور دور تک مشہور ہو گئے تھے۔ کسی مریض کے ہاتھ سخت لگے تو کہا کہ وہ کارپینٹر ہے۔ کسی کے ناخن میں مٹی لگی دیکھ لی تو فرمایا کہ وہ مالی ہے اور اسی مناسبت سے اس کی بیماری کی تشخیص کرتے۔ اتفاق سے ان کی یہ اٹکلیں سچ ثابت ہوتیں۔ بوجھو تو جانیں قسم کی اٹکلیں یعنی کسی کے دروازے پر بھینس دیکھ لی تو اس کے قارورہ کو بھینس کا قارورہ بتا دیا اگر مریض نے بحث کی تو پھر کہا۔ میاں تمہارے کھانے میں بھینس کا چارہ آگیا تھا اس بنا پر ایسا ہو گیا۔ ایسی ہی، اٹکلیں پروفیسر صاحب بھی لگایا کرتے۔ اکثر ان کی اٹکلیں سچ ثابت ہوتی تھیں۔ پس یہی باتیں ڈاکٹر کونن ڈائل کے لاشعور میں سمائی رہیں اور اس کی اپنی سوجھ بوجھ اور اٹکل بھی جب اس میں شامل ہو گئی تو جاسوسی ادب کے ایک لافانی کردار شرلاک ہومز کی تخلیق ہو گئی

ہومیوپیتھی سائنس ہے اور سائنس میں اٹکل نہیں چلتی۔ سائنس میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوتا ہے۔ کسی بھی سائنس کا بنیادی اصول یہی ہے کہ آپ کا مشاہدہ تیز ہونا چاہیئے۔ ایک جاسوس کی طرح اپنے سارے حواس کو بیدار رکھنا چاہیئے۔ مریض جب اپنا احوال سناتا ہے تو مرض بالکل واضح نہیں ہو جاتا بلکہ ایک الجھی ہوئی گتھی کی طرح ہوتا ہے، اس گتھی کو سلجھانا اس کو سمجھانا اور پھر اس کا حل پیش کرنا ہے۔ وہ معالج جو اپنے سارے حواس تیز رکھ کر مریض کا احوال سنتا ہے وہ اکثر کامیاب ہوتا ہے۔ ہومیوپیتھی بہت مشکل

سائنس ہے۔ مگر اپنی لگن اور محنت سے سیکھی جا سکتی ہے۔

ہاں تو ہومیوپیتھی ایک پہیلی کی طرح ہے۔ جب سمجھ میں آجاتی ہے تو بات بالکل آسان ہو جاتی ہے اور جب مریض اچھا ہو جاتا ہے تو وہ خود بھی حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ ہومیوپیتھی کے متعلق لوگوں کی غلط فہمیاں بہت زیادہ ہیں جو اس کو دقیانوسی علاج سمجھتے ہیں وہ تو اس سے بہت دور بھاگتے ہیں۔ جو اس سے امید لگائے ہوئے ہیں اکثر مایوس ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہومیوپیتھی سائنس سب کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کی ڈگری حاصل کر کے اس کا معالج بن جانا بہت آسان ہے لیکن اس کے فن سے واقف ہو جانا بہت مشکل ہے اس کو سیکھنے اور سمجھنے کے لئے ایک عمر چاہیئے اور یہ ضروری نہیں کہ اس کے بعد بھی اس سے مکمل طور سے واقف ہو جائیں گے۔

ہر پیچیدہ مرض کسی ایک دوا سے ٹھیک ہوتا ہے لیکن مریض کو راحت پہنچانے والی بے شمار دوائیں ہوتی ہیں۔ اس معاملے میں ہومیوپیتھی اور ایلوپیتھی دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ اگر آپ مرض کی تہ تک نہیں پہنچ سکے یا اس مریض کو مکمل طور پہ سمجھ نہیں سکے ہیں تب وہ مریض کبھی بھی ٹھیک نہیں ہو سکتا چاہے برسہا برس تک آپ اس کا علاج کرتے رہیں۔ اور اس کی تکالیف رفع کرتے رہیں۔ جب تک اس کو اس کی دوا نہیں ملے گی۔ وہ ٹھیک نہیں ہوگا۔

شفایابی کا یہ قانون قدرت نے بنایا ہے۔ ہر شفا بخش مرض کی کوئی ایک دوا ہے اور یہ خدا کے قانون کے مطابق ہی اثر انداز ہوتی ہے۔ ایسی دوا جو ہر طرح سے اس مریض اور اس کے مرض کے مطابق ہے کا ڈھونڈ نکالنا آسان نہیں ہے۔ اس کے لئے ایک جاسوس کی طرح آپ کو چاق و چوبند رہنا ہوگا۔ اور مریض کی زندگی کے مطابق ہر شے

کو اہمیت دینا ہوگی۔ پتہ نہیں کون سی بات آپ کی رہنمائی کرے۔

میں یہاں ایسے ہی کیسوں کے بارے میں لکھوں گا۔ جو خدا کے قانون کے مطابق صرف ایک دوا سے شفایاب ہوئے اور ان میں اکثر ایسے تھے کہ جن سے بات چیت کے دوران آخر آخر تک میں کچھ نہ سمجھ پایا لیکن پھر کوئی ایسی بات ہوگئی کہ جس نے ساری بات سلجھا دی۔ یہ سچ ہے اللہ تعالیٰ جب شفا دیتا ہے تو اس کے معالج کو کوئی ایسی بات سجھا دیتا ہے۔ کہ جس کی روشنی میں وہ اپنے مریض کی کوئی ایسی بات سمجھ لیتا ہے کہ جس کی روشنی میں وہ اپنے اس مریض کو شفایابی سے ہمکنار کرتا ہے۔

ایک ۸۶ سالہ ضعیفہ کا کیس ہے اس کے گلے میں کینسر تھا۔ کینسر اسپتال میں جس کا علاج ہوا تھا اس کو ریڈیشن لائیٹ کا کورس دیا گیا تھا۔ لیکن لائیٹ کے کورس کے بعد وہ دہرے عذاب میں مبتلا ہوگئی تھی۔ ایک کینسر کی وجہ سے دوسرے اس لائیٹ کی وجہ سے ہونے والے زخموں اور سوزش سے اس کا منہ خشک ہوگیا۔ اس کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی تھی اس کی نیند غائب تھی۔ نہ وہ کچھ کھا سکتی تھی نہ پی سکتی تھی۔ رات دن اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگا کرتی تھی اور پھر بھی وہ پر امید تھی۔

اس کے منہ میں چھالے تھے۔ منہ خشک تھا۔ پیاس کی شدت تھی۔ وہ بے چین تھی ان تین باتوں کی روشنی میں دوا کا انتخاب کیا جاتا تو واضح طور پر دوا آرسنک ہوتی۔ پر کیا وہ آرسنک تھی؟ میں یہی بتانا چاہتا ہوں۔ یہی سمجھانا چاہتا ہوں کہ ہومیوپیتھی کیا ہے کینسر کا مریض اور کینسر کی دواؤں میں آرسنک کا اہم مقام بھی ہے۔ آرسنک کینسر کی خاص دوا ہے لیکن اس مریضہ کو آرسنک دی جاتی تو فوراً اس کی تمام تکلیفیں رفع ہوجاتیں۔ پر وہ مریضہ دو چار روز کے بعد سکون سے مرجاتی۔ جی ہاں ہومیوپیتھک دوا سے موت بھی واقع

ہوسکتی ہے۔ پرسکون موت۔ مگر دنیا کا کوئی بھی پوسٹ مارٹم یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ مریضہ کی موت کسی ہومیوپیتھک دوا سے ہوئی۔

یہاں اس مریضہ کی مکمل تصویر کشی کروں گا۔ ایک کینسر کا درد دوسرے ریڈیشن کی وجہ سے حلق اور منہ میں چھالے۔ زبان خشک، درد سے بیچین، بار بار پہلو بدلے۔ پیاس کی شدت۔ لیکن پر امید۔ اس کی یہ پر امیدی اور خدا پر بھروسہ اس کے ان جملوں سے لگائیے اے بھائی، میرا لال۔ اے بھائی خدا تم کو اچھا رکھے۔ اے بھائی میرے کو بہت ہی تکلیف ہے۔ ہر جملے کے بعد اے بھائی۔ میرا لال۔

ذرا غور کیجئے کیا یہ آرسنک ہے؟ آرسنک کا مریض بڑا کینہ پرور ہوتا ہے۔ وہ کسی کو اے بھائی۔ میرا لال کہہ کر مخاطب نہیں کریگا۔ اور نہ ہی خدا تم کو اچھا رکھے کی دعائیں دیگا بلکہ وہ تو دوسروں کی تکلیف میں خوش ہوتا ہے۔

اس لئے میں نے اسے آرسنک نہیں دی۔ اب کیا دوا دی؟ اس کے انھیں جملوں میں علامتیں پوشیدہ ہیں۔ اے بھائی، میرا لال۔ خدا تم کو اچھا رکھے۔ اے بھائی مجھ کو بہت تکلیف ہے۔ ذرا غور کیجئے۔ آپ دوا جان جائیں گے۔ فاسفورس؟

اس مریضہ کو جو دوا دی گئی وہ ایک ہی خوراک تھی اور دوسرے روز سے ہی شفایاب ہونا شروع ہوگئی۔ کینسر کے شکنجے سے باہر آگئی۔

اب ایک دوسری مریضہ وہ ایک سرمایہ دار کی اہلیہ تھی۔ اس کا آپریشن کیا گیا تھا۔ ایام کی خرابی کی بناء پر ڈاکٹروں نے یہ کہہ کر بچہ دانی کو نکال دیا تھا کہ اس کے کینسر کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔ اکثر خواتین کو اس کا تجربہ ہوگا کہ اس طرح کے۔ بلا وجہ آپریشن کے بعد طرح طرح کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس طرح کے آپریشن بہت ہی زیادہ عام ہیں۔

آپریشن کے بعد سے اس خاتون کی نیند ہی اڑ گئی تھی اُسے روزانہ نیند کی گولیاں کھانی پڑتی تھیں لیکن اس کے باوجود اس کو نیند نہیں آتی تھی نیند نہ آنے سے وہ بہت پریشان تھی ۔ ایک مشکل سے چھٹکارہ ملا تو دوسری مصیبت گلے پڑ گئی تھی ۔

اس مریضہ کے کیس میں یہی خاص علامت تھی ۔ باتوں کے دوران اپنا احوال سناتے سناتے وہ ایک جملہ باربار ادا کرتی تھی ۔ ڈاکٹر صاحب ۔ ڈاکٹر صاحب ایسا ہوا ۔ وہ یہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب ۔ ڈاکٹر صاحب ۔ ایسا ہوا ڈاکٹر صاحب

یہاں غور کیجئے کہ یہی علامت تھی، اس سے پہلے والی مریضہ کے یہ جملے، اے بھائی میرا لال ۔ اے بھائی اور اس کے ڈاکٹر صاحب تو ڈاکٹر صاحب یہ ہوا ۔ دراصل اپنائیت کا اظہار ہے ۔ ہمدردی کا اظہار ہے ۔ نیک خواہشات کا اظہار ہے ۔

ایک مریضہ جس کو کینسر تھا تو دوسری جس کو کینسر ہونے والا تھا ۔ دونوں ایک ہی دوا سے ٹھیک ہوئیں ۔

علامتیں کیا ہیں ؟ ہر وہ تکلیف جو مریض بیان کرے ۔ ہر وہ جملہ جو مریضہ ادا کرے علامتیں ہیں ۔ لیکن ان میں سے کس کس کو اہمیت دینا ہے ۔ یہی فن ہے ۔ علامتوں کو سمجھنا اور ان کے ذریعہ مریض کے دل کی کیفیت کو سمجھنا ۔ نیز اس کے روحانی وجود کو سمجھنا مثال کے طور پر ایک بیس سالہ نوجوان کے کیس پر غور کریں ۔ اس کی شکائتیں وہی تھیں جو عام نوجوانوں کو ہوتی ہیں ۔ مثلاً پیشاب کے قطرے ٹپکنا ۔ احتلام کی شکایت ۔ جلق کی بدعادت ۔ کئی طرح کے بے بنیاد خوف اس کے دل میں جگہ بنائے ہوئے تھے ۔ اُسے یہ احساس ہر وقت کھائے جا رہا تھا کہ اس کے اندر کوئی بیماری ہے وہ اپنے آپ کو بہت غریب انسان تصور کرتا تھا ۔ نیم حکیموں کے چکر میں پڑ کر اور بھی زیادہ غریب ہو گیا تھا ۔ ہزاروں

روپے معجون و طلاء پر خرچ کر چکا تھا ۔ اُسے عجیب طرح کی گھبراہٹ ہوتی تھی ۔ امتحان کے پرچے دیکھ کر گھبراہٹ میں انگلیوں کے ناخن کھا لیتا تھا ۔ بات کرنے کے دوران اس کی بھویں تن جاتی تھیں ۔

اس نوجوان کو جو دوا دی گئی تھی وہ صرف ایک ہی خوراک تھی اور اسی سے وہ بالکل ہی صحت یاب ہو گیا ۔ حالانکہ میں نے اس کا علاج کئی مہینے کیا لیکن دوا اُسے صرف ایک ہی خوراک دی گئی تھی ۔ یہاں میں نے کن علامتوں کو اہمیت دی وہ یہ ہیں ۔ گھبراہٹ کے عالم میں انگلیوں کے ناخن کھا لینا ۔ یہ احساس کہ وہ بہت غریب آدمی ہے اور تیسری علامت باتوں کے دوران بھنویں تن جانا ۔ اب آپ ہومیو پیتھی کی ریپرٹری (علامتوں کی کسوٹی) پر ان علامتوں کو ڈھونڈیں آپ کو اس دوا کا نام معلوم ہو جائے گا ۔ میں یہاں اس دوا کا نام اس وجہ سے نہیں لکھ رہا ہوں کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ اکثر نوجوان اس دوا کو استعمال کرنے لگ جائیں گے ۔ کیونکہ اکثر لوگوں کی یہ عادت خراب ہوتی ہے کہ ہر مرض کے مطابق اپنے لیئے خود نسخہ تجویز کر لیتے ہیں ۔ یا ان کا کوئی دوست نسخہ تجویز کر دیتا ہے اگر آپ کو اس فن کو سیکھنا ہے تو کچھ محنت تو کرنا ہوگی ۔ میں نے پورا کیس بیان کیا اور پھر اس کی رہنمائی بھی کر دی کہ اس کیس میں اہم اور خاص باتیں کیا ہیں ۔

اگر آپ میں علامتوں کو سمجھنے کی خداداد صلاحیت ہے تو یقین مانئے آپ موت کے منہ میں پہنچ چکے ۔۔۔ مریض کو بھی زندگی کی خوشیاں دے سکتے ہیں ۔ اسے بچا سکتے ہیں ہم کئی بار بتا چکے ہیں کہ ہومیو پیتھی کوئی امتحان پاس کر لینے سے نہیں آ جاتی ۔

ایک پچاس سالہ خاتون جسکو بچے دانی کا کینسر تھا اور کینسر اسپتال میں لائٹ کا کورس جاری تھا ۔ لیکن خون کا اخراج بند نہیں ہوتا تھا ۔ اس کا پیٹ درد کرتا اور بدبودار سفید پانی اور

اورخراش دار اخراج ہوتا تھا۔ اس کے جوڑوں میں درد بھی تھا۔ بھوک پیاس ختم ہو چکی تھی۔ منہ میں جھاگ دار لعاب بنتا رہتا تھا۔ لیکن اس کی زبان میں خشکی کا احساس رہتا۔ پیٹ گیس سے بھرا رہتا۔ وہ کھانا نہیں کھا سکتی تھی۔ کھانے کو دیکھ کر اُسے الٹی ہو جاتی تھی۔ اُسے سردی اور گرمی دونوں سے پریشانی ہوتی تھی۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا۔

لیکن ہومیوپیتھی کی ایک دوا جو اُسے علامتوں کے اعتبار سے دی گئی جس کے بعد وہ اس اذیت اور پریشانی سے نجات حاصل کر سکی۔ رفتہ رفتہ صحت یاب ہونے لگی۔ جو دوا اُسے دی گئی وہ ہے کالچی کم Colchicum طاقت تیس میں صرف دو خوراکیں۔

((ہومیوپیتھی کیا ہے؟ ہومیوپیتھی کی دوائیں کیا ہیں اور ہومیوپیتھک علاج کیا ہے۔ ان باتوں سے عام آدمی تو خیر لاعلم ہے ہی اکثر و بیشتر وہ معالج بھی کہ جو برسہا برس سے ہومیوپیتھی دواؤں سے اپنے مریضوں کا علاج کرتے رہتے ہیں وہ تک لاعلم ہیں۔))

اس سلسلے میں ایک ہومیوپیتھک ڈاکٹر نے خط لکھا ہے کہ آپ کی تصانیف کا مطالعہ کیا۔ طب کی دنیا میں آپ نے کافی گہرا غوطہ لگایا ہے۔ ایک دوسرے معالج نے لکھا ہے کہ میں آپ کی ہومیوپیتھی کا قائل ہوں کیونکہ میں نے آپ کے زیر علاج اس مریض کو دیکھا ہے جسے کاندھے پر لاد کر اسپتال لے جایا جاتا تھا۔ لیکن وہ مریض آج اپنے پیروں سے چل کر گھومتا پھرتا ہے۔

عجیب بات ہے یہ ڈاکٹر صاحب ہومیوپیتھی کے سند یافتہ ہیں مگر خود ان کو ہومیوپیتھی کی الف تک نہیں آتی۔ انھوں نے خود اس کا اعتراف کیا ہے وہ آگے لکھتے ہیں کہ کاش مجھے ہومیوپیتھی آتی کہ میں اپنے ضمیر کی آواز کو تو سمجھ سکتا۔

یہاں مجھے اس شخص کی یاد آ گئی جو کئی برسوں پہلے مجھ سے ملنے آیا تھا اس وقت میں یہ

نہیں جانتا تھا کہ وہ ہومیوپیتھک معالج ہے اس نے بڑے عقیدے کے ساتھ یہ عرض کیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب دیونار کے گیٹ نمبر میں آپ کے جاننے والے بہت ہیں۔ ہر پیر کے روز جب اردو ٹائمز آتا ہے تو ہم سب سے پہلے آپ کا کالم پڑھتے ہیں اور بڑی عقیدت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

یہ شخص چند جماعتوں کا تجربہ رکھتا تھا لیکن اس نے کسی عزیز سے ہومیوپیتھی سیکھ رکھی تھی اور ماشاء اللہ خوب سیکھی تھی۔ اس کو مجھ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ وہ محض ملنے کی غرض سے مریض بن کر آیا تھا۔ اسی سلسلے میں مالیگاؤں کے ڈاکٹر ساجد انور نے پوچھا کہ کیا وہ یونانی اور ایلوپیتھی چھوڑ کر ہومیوپیتھی طرز علاج کر سکتے ہیں اس کے لئے انھیں کیا کرنا ہوگا ایک معالج اگر رجسٹرڈ میڈیکل پریکٹشنر ہے تو وہ کسی بھی پیتھی سے اپنے مریضوں کا علاج کر سکتا ہے۔ اکثر ہوتا یہ ہے کہ یونانی، آیورویدک، ہومیوپیتھی، نیچروپیتھی وغیرہ کے سند یافتہ معالج اپنا رجسٹریشن کرا کے ایلوپیتھی پریکٹس کرتے ہیں اس لئے کہ ایلوپیتھی بہت آسان ہے۔ ایک کمپونڈر بھی علامتوں کے مطابق مریض کو دوا بتا سکتا ہے اور مریض کو آرام ملتا ہے۔ مگر ہومیوپیتھی بہت مشکل ہے۔ یہاں مراد مریض کو محض آرام پہنچانے سے نہیں بلکہ مکمل طور پر شفایاب و صحت مند بنانے سے ہے۔

ہومیوپیتھک دواؤں سے چند ایک مریضوں کے کچھ مسائل دور کر دینا یا ان کو آرام پہنچا دینا علاج نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایلوپیتھک دواؤں سے چند ایک مریضوں کے مسائل دور کر دینا یا ان کو آرام پہنچا دینا علاج نہیں ہوتا۔ ایلوپیتھک دواؤں سے جو نقصانات ہوئے ہیں وہ بھی تمام افراد کو معلوم ہیں۔ اکثر و بیشتر ایلوپیتھک معالج بھی اپنے مریضوں کی بھلائی کی خاطر ان سے کتراتے ہیں۔ اور ان کی شفایابی کے لئے دوسرے ذرائع کی تلاش میں

ہوتے ہیں۔ یہاں ہماری یہ مراد نہیں کہ ایلوپیتھک علاج خطرناک علاج ہے۔ البتہ یہ بتانا ہے کہ ایلوپیتھک طریقۂ علاج بھی سائنٹفک علاج ہے اور اس وجہ سے جب کسی دوا کے بارے میں یہ جان لیا جاتا ہے کہ اس سے فائدہ سے زیادہ نقصانات ہوتے ہیں تو اس دوا اور اس طریقۂ علاج کو رد کر دیا جاتا ہے۔ اور اس وجہ سے ایک ایلوپیتھک معالج جو کھلا ذہن رکھتا ہے وہ ہر طریقۂ علاج کی طرف راغب ہوتا ہے۔ ہومیوپیتھی کی تعلیم عام کرنے میں سب کا فائدہ ہے مریض و معالج دونوں کا۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس علم کی روشنی کو پھیلا سکیں اور اس فن کی باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہو۔ ایسی ہی تعلیم جیسی پہلے وقتوں میں استاد اپنے شاگردوں کو دیتا تھا۔ اور پھر اس کے شاگرد اپنے شاگردوں کو۔ ہومیوپیتھی کی تعلیم سے ہی ورک شاپ ممکن ہے۔

MOHD. ANEESUDDIN
PLOT 6-B, AAFREEN
TEACHERS COLONY
KHAMGAON 444303
anis_riz@yahoo.com
anisriz1987@gmail.com

بنیادی طور پر میں ایک مصور ہوں، ایک آرٹسٹ، ایک پینٹر، ایک پیدائشی پینٹر مجھے مصوری کسی نے نہیں سکھائی۔ ایک مصور اپنی آنکھ میں اس منظر کی ہر جنبش کو جذب کر لیتا ہے اور پھر اس کی عکاسی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مجھے ایک طبیب بنانا تھا اس لئے اس نے پہلے مصور بنا دیا۔ جو کوئی مریض میرے پاس آتا ہے اس کی ہر حرکت ہر جنبش میرے ذہن میں عکس ہو جاتی ہے۔ ایک ویڈیو کیمرے کی طرح جو کیس مجھے یاد آجاتا ہے بس وہ منظر ویڈیو فلم کی طرح ذہن کے دریچوں سے نکل آتا ہے اور قلم کے ذریعہ اس کی عکاسی کر دیتا ہوں۔

کچھ روز قبل ایک خوبصورت دوشیزہ اپنی الرجی کے لئے زیر علاج تھی۔ اس کی عنقریب شادی ہونے والی تھی۔ اور اس کے والدین کو یہی بات پریشان کئے ہوئے تھی۔ ایلوپیتھی علاج سے تھک ہار کر وہ ہومیوپیتھی کی طرف راغب ہوئی تھی۔ کھانے پینے میں کچھ آگیا کہ الرجی شروع تمام جسم میں بڑے بڑے سرخ دانے۔ خارش اور سوزش ہو جاتی تھی اور یہ آئے دن کا معمول بن گیا تھا۔

یہ دوشیزہ چند ہی دنوں کے علاج میں شفایاب ہوگئی اس کی شادی بھی ہوگئی۔ اب وہ ہر طرح کا کھانا کھاتی ہے۔ سب کچھ کھاتی ہے۔ اور اُسے الرجی نہیں ہوتی۔ جبکہ اسی مریضہ کو ایلوپیتھک ماہرین نے طرح طرح کے ٹسٹ کروا کے اس کے کھانے پینے کی بیشتر چیزوں پر پابندی لگا دی تھی۔ لیکن اس کے باوجود دو چار دنوں کے بعد وہ اس مصیبت میں جکڑی جاتی تھی۔ اس سلسلے کا ایک بڑا ہی عجیب و غریب کیس اس وقت یاد آرہا ہے۔ یہ بھی ایک خوبصورت دوشیزہ تھی اور ایک بچے کی ماں۔ بڑے گھر کی بیٹی تھی اور بڑے گھر میں اس کی شادی ہوئی تھی۔ لیکن سسرال اسے راس نہ آئی۔ سسرال میں آتے ہی وہ طرح طرح

کی پریشانیوں میں گھر گئی۔ شوہر بھی نااہل نکلا اور جلد ہی قلاش ہوگیا۔ مجبوری میں بڑے گھر سے نکل کر ایسی جگہ گھر لینا پڑا جہاں غریبوں کی بستی تھی۔ آس پاس بھینسوں کے طویلے تھے۔ اتفاق سے اُسے انہی دنوں الرجی کی بیماری شروع ہوگئی۔ اس کے تمام جسم میں بھی اسی طرح کے دورے پڑتے تھے۔ اسی طرح کی سوزش ہوتی تھی۔ ماہرین کو جب خاطر خواہ وجہ سمجھ میں نہ آئی تب سارا بخار بھینسوں کے طویلے پر اُتار گیا کہ اس کو اس بات کی الرجی ہے۔ وہ کہیں آجا نہیں سکتی تھی کیونکہ اس کو یہ الرجی دانے کسی وقت بھی نمودار ہو سکتے تھے۔ خارش اور دانوں نے اس کے پورے چہرے پر سوجن آجاتی تھی۔ اس کی سانس رکنے لگی تھی۔ منہ خشک ہوجاتا تھا زبان اکڑ جاتی تھی۔ کھانے کی کوئی بھی چیز اس کے لئے مصیبت بن سکتی تھی۔

اسے دودھ بہت پسند تھا۔ دودھ کی بنی ہوئی چیزیں بھی پسند تھیں۔ مٹھائیاں پسند تھیں جس کی خواہش کو وہ روک نہ پاتی تھی۔

ہم بار بار یہ بتا چکے ہیں کہ علامتیں روح کی زبان ہیں۔ اس بات کے متعلق ڈاکٹر ہانی مین کے قول کو بھی بیان کر دو۔ ہومیوپیتھی کی بنیادی کتاب آرگنیان آف میڈیسن کے پیراگراف چھ میں وہ فرماتے ہیں۔ " ایک بے لاگ (غیر متعصب) مشاہدہ کرنے والا، جو دقیق اور غیر واضح خیالی نظریات اور قیاسات سے آگاہ ہو۔ خواہ وہ ایک غیر معمولی فراست کا مالک ہو، وہ ہر منفرد بیماری میں ماسوا اُن تبدیلیوں کے جو انسان کے تندرست جسم و دماغ میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور حواس کے ذریعے دیکھی یا محسوس کی جا سکتی ہیں۔ کچھ نہیں دیکھ پاتا اور سمجھ سکتا۔ دوسرے لفظوں میں وہ صرف ان تغیرات کا ادراک اور مشاہدہ کرتا ہے۔ جو بیمار کی سابقہ صحت کی حالت میں پیدا ہوئے ہیں۔ جن کا احساس خود مریض کو ہوتا ہے۔ جنھیں اس کے لواحقین بھی دیکھتے اور بتاتے ہیں۔ جس کا مشاہدہ معالج بھی کرتا ہے۔ اب یہ تمام

قابل ادراک واحساس علامات ہی پورے مرض کا پتہ دیتی ہیں۔ بلکہ صرف یہی علامات مجموعی طور پر پورے مرض کی ایک قابل فہم تصویر پیش کرتی ہیں۔

آرگنیان کے اس پیرا سے ہمیں یہ اصول ملتا ہے کہ ایک ذہین معالج کے لئے علامتیں ہی اصل حالت کا پتہ دیتی ہیں۔ یہی علامتیں جسم کی ٹوٹ پھوٹ سے آگاہ کرتی ہیں۔ بیماری محض تبدیل شدہ حالت ہے اور معالج کو صرف یہ بگڑی ہوئی حالت سے پہلے کی صحت مند حالت کی طرف لوٹانا ہے۔

ڈاکٹر ہانی مین کے نزدیک یہ نظریہ بھی جھوٹا ہے کہ انسان مرض کے نظریے کی تحقیق و تدوین کے لئے انسانی جسم کے انفرادی اعضاء کی غور و خوض پر وقت ضائع کرے یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا معدہ انسان کو بیمار بناتا ہے یا جگر۔

وہ مزید فرماتے ہیں کہ ایسی سعی کا نتیجہ صرف نظریے کے حصول ہی پر ہوگا اور جب تک ہم اپنی ذہنی کاوش انسانی اعضا تک محدود رکھیں گے یقیناً ایک الجھن میں مبتلا رہیں گے لیکن اگر ہم ان علامات کو اپنی توجہ کا مرکز بنائیں گے جو اس بیمار شخص میں دیکھی گئی ہیں تو پھر یہ بیماری کی ایک مکمل تصویر آپ کی لکھی تحریر کی صورت میں ہوگی تب آپ کے لئے اس صورت میں کسی الجھن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر ہانی مین نے پیراچھ کے شروع میں بے لاگ مشاہدہ کرنے والے فرد کا تذکرہ کیا ہے اب بے لاگ مشاہدہ کرنے والا کیا ہے، اُسے سمجھ لیجئے۔ انسان فطرتاً متعصب ہوتا ہے وہ اپنی زندگی کے ہر شعبے میں متعصب ہوتا ہے اسی طرح وہ فن علاج وغیرہ میں بھی متعصب ہوتا ہے عصبیت سے کام لیتا ہے۔ آپ خود ہی دیکھ لیجئے ایک ایسا مریض جو کئی دنوں سے کسی خطرناک بیماری کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہو۔ اس کا علاج کئی معالجوں نے کیا ہو۔

آپ دیکھیں گے کہ ان میں ہر معالج کی رائے الگ ہوگی۔ ہر معالج اپنے نسخے کو صحیح مان کر اُسے ہی جاری رکھنے کی صلاح دیتا ہے دراصل یہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ اصول اور قانون کا لحاظ نہیں رکھتے اور نہ ہی اُسے تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ اکثر متعصب ہیں۔ لیکن اگر ان کے پاس کوئی اساس یا کسوٹی ہو۔ جس پر وہ اعتماد کر سکیں تو ایسی صورت میں وہ تعصب سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔

ہومیوپیتھی طبی سائنس کی ایسی ہی کسوٹی ہے۔ جہاں سانچ کو آنچ نہیں۔ چلئے ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟ ہم ایسے کیس کا بیان کرنے لگے ہیں۔ جو کچھ ایسے مراحل سے گذرا ہے ابھی کل ہی میں نے اس مریض کو دیکھا۔ ۲۲ سالہ نوجوان ڈیڑھ ماہ سے بیمار ہے۔ جو دوائے دی گئی وہ اس سے ٹھیک ہوگا یا نہیں یہ تو وقت ہی بتائے گا۔ ہم علامتوں کی کسوٹی پر جانچنے کی بات کر رہے ہیں۔

وہ بستر پر لیٹا ہوا تھا کسی سے کوئی بات نہ کرتا تھا اگر کوئی سوال پوچھا جاتا تو منہ دوسری طرف کر لیتا پوچھنے والا اگر پیچھے ہی پڑ گیا تو پھر وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتا گویا وہ سو گیا ہو۔ اگر اس کے بعد بھی کچھ بولنا پڑتا تب اس قدر آہستہ سے بولتا کہ الفاظ صاف سمجھ میں نہ آتے کچھ سنائی نہ دیتا۔

میں جتنی دیر وہاں بیٹھا رہا اور اس سے جو کچھ پوچھنے کی کوشش کرتا رہا اس نے کچھ نہ بتایا نہ ہی اس نے اپنی تکالیف بیان کیں۔ نہ ہی کوئی شکایت کی۔ جو کچھ میں معلوم کر سکا وہ اس کے رشتہ داروں سے۔ کچھ ماں نے بتایا۔ کچھ اس کے والد نے کچھ بھائی نے اور کچھ اُس کے چچا نے۔ پہلے اُسے بخار آیا۔ بخار کی حالت میں غفلت میں اس نے بتایا کہ وہ قبرستان کی مسجد میں نماز پڑھنے گیا تھا۔ وہاں ڈر گیا۔ دو چار روز بعد بھی جب بخار نہ اُترا تب

عاملوں کو بلوایا گیا۔ عاملوں سے اس نے بڑی زور آزمائی کی۔ چار چار عامل اُسے نہ سنبھال سکے۔ نوجوان دینے والی آگ اس نے لات مار کر گرا دی۔

ڈاکٹروں کی دوائیں وہ کھاتا نہ تھا۔ منہ سے تھوک دیتا تھا۔ اپنی ماں سے کہتا کہ میں ان دواؤں سے ٹھیک نہ ہوں گا۔ میری خدا سے بات ہو گئی ہے اب میں ٹھیک نہیں ہونگا۔ اس طرح ۸۔ ۱۰ روز گزر گئے۔ پہلے ڈاکٹروں نے اس کے بخار کو ٹائیفائڈ کہہ کر علاج کیا اسی دوران اس کی آواز چلی گئی۔ اب کوئی دوسری بیماری مان کر علاج ہوا۔ لیکن وہ بجائے ٹھیک ہونے کے اور بھی بیمار رہتا گیا۔ ڈیڑھ ماہ بعد بڑے ڈاکٹروں کی نگرانی میں علاج شروع ہوا۔ بڑے بڑے ٹسٹ کئے گئے۔ وہ اس قدر لاغر ہو گیا کہ چلنے پھرنے کے قابل بھی نہ رہا۔ رات وہ آرام سے سوتا تھا۔ لیکن صبح سے شام تک ہر کچھ دیر کے بعد الٹی کر دیتا تھا۔ اب ڈاکٹروں نے ایک نئی بیماری کی تشخیص کر لی۔ یہ جدید معالج۔ بیماری اگر زور پکڑتی گئی تو ان حضرات کی تشخیص بدلتی جائے گی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو اصل بیماری سمجھ میں نہیں آتی۔

اب ماہرین نے بتایا کہ دماغ کے اندر پانی بھر گیا ہے۔ اس پانی کے دباؤ کو کم کرنے کے لئے ایک مصنوعی نلکی لگائی جائے۔ یعنی بڑا اپریشن کیا جائے۔ ورنہ وہ اندھا ہو جائے گا یا مکمل طور پر اپاہج۔ یہاں معاملہ یہ تھا کہ وہ زندہ بھی رہے گا یا نہیں۔ کیونکہ ایسی نلکی لگا کر آپ پانی کے دباؤ کو کم کر سکتے ہیں۔ لیکن بیماری کو نکال نہیں سکتے۔ اچھا تو یہ ہوتا کہ ماہرین خود اپنے دماغوں میں یہ نلکی لگا لیں تاکہ کچھ روشنی ان کے دماغوں تک بھی پہنچ سکے۔ ہومیوپیتھی کی۔

ڈیڑھ ماہ جس نوجوان کا جدید طریقوں پر علاج کیا جاتا رہا وہ اس حال کو پہنچ گیا تھا

کہ ایک لقمہ غذا تک ہضم نہ کر سکتا تھا۔ پس وہ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ بن کر رہ گیا تھا۔ جب کہ شروع تا آخر اس کیس میں جو دوا آج سے ڈیڑھ ماہ پہلے تھی وہی آج بھی تھی۔ یہی تو ہومیوپیتھی ہے۔ ہومیوپیتھی کی کسوٹی پر آپ چاہیں تو اُسے پرکھ سکتے ہیں۔ اگر آپ میں سمجھ بوجھ ہے تو آپ بھی اس نوجوان کی دوا جان جائیں گے یہاں علامتیں یہ ہیں۔ (۱) اپنی تکلیفوں سے بے بہرہ، اپنی شکایتوں کا بیان نہ کرنا۔ (۲) بات نہ کرنا چاہے (۳) آواز اتنی دھیمی کہ سمجھ نہ آسکے۔ (۴) بستر میں پڑے رہنے کی خواہش (۵) دوا کھانے کو سمجھے کہ اس سے دھوکہ کیا جارہا ہے۔

اب آپ ان علامتوں کی کسوٹی یعنی ہومیوپیتھی کی ریپرٹری لے کر بیٹھ جائیں اور غور کریں۔ آپ کچھ کوشش کے بعد صحیح دوا جان جائیں گے۔

ہاں ہم بھول ہی گئے کہ گذشتہ کالم میں ایک الرجی کا تذکرہ تھا۔ بھینسوں کے طبیلوں کی الرجی بھی عجیب بات تھی یعنی کہ اگر آپ کا گذر ان گلی کوچوں سے ہوا ہے کہ جہاں بھینسوں کے طبیلے آباد ہوں تو سمجھئے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ بھی ان کی زد میں آجائیں۔ کیا پتہ؟ ہمارے کئی ڈاکٹر صاحبان نے اس کا ہوا کچھ اس طرح کھڑا کیا ہے کہ بھینسوں کے طبیلوں کو شہری حدود سے باہر کر دیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الرجی کی بیماری تو گئی نہیں البتہ دودھ مہنگا ہو گیا۔ اس معاملے میں ہم بہار کے چیف منسٹر لالو یادو کو مان گئے۔ بہار میں کالا زار کی وباء نے زور پکڑا تو اس کا ذمہ دار گائے بھینسوں کو ٹھہرایا گیا۔ اور یہ تجویز پاس کی گئی کہ شہر سے گائے اور بھینسوں کو باہر نکال دیا جائے۔ لالو پرشاد جی اڑ گئے۔ وہ بھلا کیسے اس تجویز کو مان لیتے وہ بھی یادو ہیں سچے یادو اور خوب جانتے ہیں کہ یادوؤں کے لئے گائے

ہی سب کچھ ہے۔ ان کی ماتا ہے ان کی روزی روٹی کا ذریعہ ہے۔ ایک سچا یادو تو گائے کے پیشاب سے نہاتا بھی ہے۔ اس کو پوترمانتا ہے۔ اس لئے اس تجویز کو انھوں نے سختی سے رد کردیا۔

ہمارے خیال سے بھی قصور گائے یا بھینسوں کا نہیں ہے بلکہ ان نازک مزاج اشخاص کا ہے جن کو بیسویں صدی کی جدیدیت نے پیدا کیا ہے۔ امریکہ میں تو اس الرجی کا مسئلہ اور زیادہ سنگین صورتحال اختیار کئے ہوئے ہے۔ ایک امریکی ڈاکٹر نے اپنے ایک الرجی کے مریض کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ ایک پلاسٹک کا غبارہ بنوالے اور اس کے اندر رہے۔ سانس لینے کے لئے آکسیجن سلینڈر ساتھ رکھے۔ یہ کوئی مذاق نہیں ہے ایک میڈیکل جریدے میں شائع ہوا تھا۔

غالباً اسی طرح کے علاج سے متاثر ہو کر ہماری اس مریضہ کو اس کے الرجی ماہرین نے پلاسٹک ماسک لگانے کا مشورہ دیا تھا کہ گھر آتے جاتے جب وہ بھینسوں کے طبیلوں کے درمیان سے گذرے تو اس ماسک کو پہن لے۔ دراصل وہ الرجی کے ماہرین اور ان کے علاج سے مایوس ہو چکی تھی لہذا ہومیوپیتھی کی طرف راغب ہوئی تھی۔ میں نے پہلے اس کی خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے اور اس پر گذرے برے وقت کے مطابق دوائیں تجویز کیں جن کے استعمال سے اس کو فائدہ ضرور ہوا۔ لیکن وہ پوری طور پر شفایاب نہ ہوئی۔ اس طرح کئی مہینے گذر گئے۔ وہ باقاعدگی کے ساتھ مجھ سے رجوع کرتی رہی۔ اس کی صحت جو ایلوپیتھک دوائیں کھا کھا کر خراب ہو گئی تھی وہ اور خوبصورت نظر آنے لگی۔ لیکن الرجی سے اس کو مکمل طور پر چھٹکارا نہ مل سکا تھا۔ اس کی نازک مزاجی برقرار تھی۔

ایک روز وہ بولی ڈاکٹر صاحب آپ کے علاج سے میں بہت اچھی تو ہو چکی ہوں پھر

بھی کچھ کسر باقی ہے۔ کبھی یہ کھا لیا کبھی وہ کھا لیا تو فوراً خارش شروع ہوجاتی ہے حالانکہ اب یہ پہلے کی طرح شدید نہیں ہوتی پر پھر بھی ہوتی ہے۔ سوجن بھی اتنی زیادہ نہیں آتی پر آتی ہے۔ یہ سب کہتے ہوئے اس نے اپنے پرس سے ایک سیب نکالا۔ سرخ سیب اور پھل کاٹنے کا چاقو۔ اور بولی میں آپ کو ایک بات بتانا چاہتی ہوں یہ کہتے ہوئے اس نے سیب کو چھیلنا شروع کردیا۔ میں حیران تھا کہ یہ کیا کررہی ہے کیا یہ مجھے سیب کھلانا چاہتی ہے۔ میں اس کو اس حرکت سے باز رکھنا چاہتا تھا لیکن وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ یہ دیکھئے میں سیب کاٹتے وقت جب تک اس کی جلد اتارتی رہتی ہوں تب تک تو کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن جیسے ہی میں اس کو کاٹ کر دو ٹکڑے کرتی ہوں، بے ہوش ہوجاتی ہوں۔

خدا کا شکر تھا کہ اس نے سیب کے ٹکڑے کرتے وقت اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا ورنہ شاید وہ بے ہوش ہوجاتی اور مطلب میں اس طرح وہ بے ہوش ہوجاتی کہ ایک ہاتھ میں چاقو اور ایک ہاتھ میں سیب کے ٹکڑے!!

اس نے سیب کے ٹکڑے کو دیکھے بغیر اپنے پرس میں رکھ لیا اور خاموشی سے ہماری طرف دیکھنے لگی۔ اب بے ہوش ہونے کی ہماری باری تھی۔ یاخدا یہ ایسی بھی کوئی علامت ہوسکتی ہے کہ سیب کے ٹکڑے کرتے ہوئے کوئی بے ہوش ہوجائے!!

ہم بارہا یہ بتا چکے ہیں کہ ہومیوپیتھی آسان نہیں ہے نہ ہی کسی کورس یا امتحان کو کر لینے سے آتی ہے۔ البتہ آپ کو اس میں ڈوبنا ہوگا۔ ہر کیس اپنی نوعیت کا ہوتا ہے سب کچھ کتابوں میں لکھا ہوا نہیں ہوتا۔ اہم بات یہ ہے کہ آپ ان باتوں سے مطلب کیا اخذ کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ علم فن کی حیثیت رکھتا ہے محض ڈگریاں حاصل کر لینے سے

آپ ہومیوپیتھ نہیں بن سکتے۔ اور یہ ضروری بھی نہیں کہ برسہا برس سے جو شخص ہومیوپیتھی کی پریکٹس کررہا ہو وہ ہومیوپیتھ ہے۔

ایک ہومیوپیتھ کسی تیز جاسوس کی طرح ہر پہلو پر غور کرتا ہے۔ اب یہ بات واضح تھی اس خاتون کی سائکوانالیسس یعنی تحلیل نفسی کی جائے۔ اس کے بچپن سے جوانی تک کے تمام اہم واقعات کو کرید کرید کر معلوم کیا جائے۔ اب آپ ہی سوچئے یہ وہ باتیں ہیں کہ جن میں بہت وقت لگتا ہے۔ کس کیس میں کتنا وقت لگے گا نہیں جانتا۔ کوئی گتھی جلدی سلجھ جاتی ہے اور کسی کو سلجھانے میں گھنٹوں لگ جاتے ہیں۔ کافی تگ و دو کے بعد اس کی زندگی کے ایک واقعے نے اس گتھی کو سلجھا دیا۔

وہ ان دنوں اسکول میں پڑھتی تھی۔ ایک اخبار میں ایک قتل کی خبر کے ساتھ مقتول کا فوٹو شائع ہوا تھا۔ مقتول کے سر اور جسم پر گولیوں کے نشان تھے۔ وہ اُسے دیکھ کر ڈر گئی اور وہ فوٹو اس کے لاشعور میں سما گیا۔ سیب کے اندر کا خول جس میں بیج ہوتے ہیں۔ کٹا ہوا سیب اس لاش کے جسم میں لگی ہوئی گولیوں کے زخموں سے مشابہ تھا وہ اس وجہ سے بے ہوش ہوجاتی تھی۔

اب مجھے ایسی دوا کی تلاش تھی کہ جس میں اتنی زیادہ حس ہو، اس قدر نازک مزاجی ہو کہ کوئی نازک اندام حسینہ سیب کاٹتے ہوئے بے ہوش ہوجائے پھر زیادہ وقت نہ لگا اس کے لئے دوا تجویز کرنے میں۔ جو دوا اسے دی اس سے وہ بالکل ٹھیک ہوگئی۔ اس کے بعد کبھی بھی اسے الرجی کی شکایت نہ ہوئی۔ وہ سب کچھ کھانے پینے لگی۔

اب ذرا اس دوا کے بارے میں بھی کچھ بیان کردوں، اس کا نام ہے نکس ماشکٹا

(Nux Moschata) نکس ماسکٹا۔ اس دوا کا نام یہاں بتانے سے مراد یہ نہیں ہے کہ ہر الرجی زدہ خاتون اس دوا کا استعمال کرنے لگ جائے۔ یہ دوا صرف اس مریضہ کی تھی جس کا بیان ہم نے کیا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ نکس ماسکٹا کیا ہے؟

یہ جائے پھل ہے۔ جی ہاں جائے پھل، اکثر حکیمی دواؤں میں اس کا استعمال ہوتا ہے لیکن حکیم اس جائے پھل کے ذہن سے واقف نہیں ہیں۔ اور ایلوپیتھ ڈاکٹر تو خیر اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ جبکہ پرانی دادی مائیں اس تعلق سے اتنا ضرور جانتی تھیں کہ جائے پھل سردی زکام کیلئے بہترین دوا ہے اور وہ اسے گھریلو نسخے کے طور پر استعمال کرتی تھیں۔

جائے پھل کی بات پر مجھے ایک بہت پرانا کیس یاد آگیا۔ قریب چھ سال ہو گئے اُسے کینسر ہوا تھا۔ گلے کا کینسر۔ آج وہ بالکل صحت یاب ہے اور خلیجی ممالک میں کام کرتا ہے۔ اپنے بیوی بچوں سے ملنے جب وہ انڈیا آتا ہے تو مجھ سے ملنے ضرور آتا ہے۔

اس کو گلے کے ٹانسلز کا کینسر تھا۔ جن کو آپریشن کر کے نکال دیا گیا تھا۔ لیکن آپریشن کے بعد گلے میں ایک گانٹھ بن گئی تھی۔ بالکل پتھر کی طرح سخت گانٹھ، جس کے لئے اُسے لائیٹ کا کورس دیا گیا تھا۔ ریڈیشن لائیٹ سے اس کی گانٹھ تو کم نہیں ہوئی۔ البتہ اس کے دانت جل کر سیاہ ہو گئے۔ زبان جل کر اینٹھ گئی۔ اور گلے کی جلد سیاہ پڑ گئی۔ اب اسے کھانے پینے میں بھی دقت ہوتی تھی۔ ڈاکٹروں نے اسے چھ ماہ کی معیاد دی تھی کہ چھ ماہ میں اس کا قصہ تمام ہو جائے گا۔ ہمارے یہ کینسر ماہرین اپنے حساب سے زندگی کے فیصلے سناتے رہتے ہیں۔ جبکہ زندگی اور موت کے فیصلے تو آسمانوں پر ہوتے ہیں۔

ان کے مطابق ان کا کامیاب کیس وہ ہے کہ جو ان کے علاج کے بعد ۵ سال تک

زندہ رہا ہو۔ یعنی ۵ سال کے ایک روز بعد وہ مرجائے تب بھی وہ اُسے کامیاب کیس تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ اکثر مریض تو ۵ مہینے بھی زندہ نہیں رہتے۔ یہ ان کے علاج کے کرشمے ہیں۔ تو کینسر ماہرین جب اس کا علاج کر کے تھک گئے تب اس سے کہہ دیا کہ میاں اب تو کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ اب تم چھ ماہ تک اور زندہ رہو گے۔

بس یہ کچھ ایسی ہی بات تھی کہ کسی مجرم کو موت کی سزا سنا دی گئی ہو۔ اور اس کی پھانسی کا دن مقرر کر دیا گیا ہو۔ ان حالات میں وہ مجھ سے رجوع ہوا تھا۔ اس کی عمر زیادہ نہ تھی۔ قریب چالیس کے آس پاس تھی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ پہلے خلیجی ممالک کے کینسر ماہرین نے اس کا علاج کیا تھا اور پھر اسے انڈیا بھیج دیا گیا۔

وہ بالکل سیدھا سادہ شخص تھا نہ اس نے کبھی سگرٹ پی تھی اور نہ ہی پان کھایا تھا۔ شراب وشباب سے کوسوں دور تھا۔ بچپن ہی سے اس کو بار بار سردی زکام اور ٹانسلز کی شکایت رہتی تھی اب جوانی میں کینسر ہو گیا تھا۔ اداس، غمگین زندگی سے مایوس اس کے ایک ہاتھ میں پانی کی شیشی تھی۔ ہر تھوڑے وقفہ سے وہ پانی پیتا تھا۔ دو چار منٹ بات کرتا۔ اور پانی پیتا۔ اس کی زبان بالکل خشک تھی۔

اس علامت کو میں نے خاص اہمیت نہ دی کیونکہ ہر وہ مریض کہ جسے گلے میں لائیٹ کا کورس دیا گیا ہو اس کی زبان خشک ہو جاتی ہے جل جاتی ہے۔ اس میں کسی طرح کی کوئی بے چینی نہ تھی لہذا بار بار پانی پینے کو میں نے اہمیت نہ دی۔ تمام علامتوں پر غور کرنے کے بعد میں نے اسے بار اَئیٹا کارب تشخیص کی اور اس کی چند خوراکیں دے کر کچھ روز بعد آنے کے لئے کہا۔ کچھ روز بعد اس کو کچھ آرام ملا جس سے اس کو امید ہو چلی کہ وہ اچھا ہو جائے گا۔

اس کو آرام توضرور تھا لیکن گلے کی گانٹھ جیوں کی تیوں تھی اور اسی رفتار سے وہ پانی پیتا تھا۔ اس طرح کئی دنوں تک وہ باقاعدگی سے آتا رہا۔ میں دوائیں بدلتا رہا۔ اب پانی کی شدید طلب کو میں نے اہمیت دی تھی اور اسی مناسبت سے اس کے لیے نسخے بتاتا رہا۔ وہ بدستور آتا رہا اس کے ہاتھ میں شیشی ہوتی وہ اسی رفتار سے بار بار پانی پیتا گو کہ اس کو آرام تھا۔ لیکن اس کی زبان اسی طرح خشک تھی اور گلٹی میں بھی کچھ خاص فرق نہ آیا تھا۔

دوسری بات یہ کہ وہ میعاد پوری ہونے کو تھی۔ ڈاکٹروں کے قول کے مطابق اس کی موت کا وقت قریب تھا۔ وہ موت سے نہیں ڈرتا تھا۔ وہ کہتا موت برحق ہے ڈاکٹر صاحب۔ اُسے فکر تھی اس واپسی ٹکٹ کی جو اسے کمپنی نے دی تھی۔ وہ آخر آخر وقت میں کچھ پیسہ جمع کر کے اپنے بچوں کے لئے چھوڑ کر جانا چاہتا تھا۔ بس وہ اسی کے لئے فکرمند تھا۔ حالانکہ وہ میرے علاج سے مطمئن تھا اور اس کو امید بھی ہو چلی تھی کہ اس علاج سے وہ ٹھیک ہو جائے گا۔

یہاں میں ہر طرح سے علامتوں پر غور کرنے کے بعد اس کے لئے دوائیں دیتا تھا لیکن دوا کام نہ کرتی تھی۔ اس کی تھوڑی بہت تکلیفوں کو دفع کر دینے کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ کینسر کے شکنجے سے نکل چکا تھا۔

ایک روز جب وہ آیا اور اسی طرح اس کے ہاتھ میں پانی کی بوتل دیکھی تو میں نے اپنا قلم رکھ دیا۔ میرا ذہن بالکل خالی ہو چکا تھا۔ مجھے اس کے لئے کوئی دوا نہ سوجھی وہ مجھ سے آس لگائے میری صورت دیکھ رہا تھا اور میں خدا سے دعا کر رہا تھا کہ یا اللہ کوئی راستہ دکھا۔ یہ شخص مجھ سے امید لگائے ہوئے ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ اس

کی دوا کیا ہے؟

بالکل خالی ذہن ہو کر میں اس کو دیکھ رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھ رہا تھا میں اُسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی اسی رفتار سے پانی کے لئے منہ کھولتا اچانک ایک خیال میرے ذہن میں آیا اور پھر بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اس کی دوا جان گیا۔

میں نے دیکھا کہ وہ پانی پینے کے لئے اپنا منہ تو ضرور کھولتا ہے پر پانی کے چند ہی قطرے منہ میں ڈالتا ہے اس کی پانی کی بوتل کچھ ہی خالی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کو پیاس قطعی نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح وہ پانی کے لئے بار بار منہ کھولتا ہے اس لحاظ سے تو اس کو ایک بالٹی پانی لے کر چلنا چاہیئے۔ ایک بوتل اور وہ بھی خالی نہیں ہوئی میرے خدا نے میری دعا سن لی تھی دوسرے ہی لمحے میں نے اس کو اس کی دوا دے دی۔

کیا آپ جانتے ہیں وہ دوا کیا تھی وہ دوا تھی جائے پھل یعنی نکس ماشکٹا تھی۔ نکس ماشکٹا کو پیاس قطعی نہیں ہوتی حالانکہ اس کی زبان لکڑی کی طرح خشک رہتی ہے۔ یہ مریض بھی دراصل پانی پیتا نہ تھا بلکہ خشک زبان کو تر کرنے کے لئے چند قطرے پانی منہ میں ٹپکاتا تھا۔

دوا نے حیرت انگیز طور پر فائدہ کیا اور کچھ ہی دنوں میں اس کی گلٹی چھوٹی ہوتی چلی گئی اور بالکل غائب ہو گئی وہ کینسر کے شکنجے سے آزاد ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ مکمل طور پر شفایاب ہو گیا۔

اب ایک گٹھیا کے مریض کا کیس جو کئی مہینوں سے بیمار تھا۔ لیکن ہومیوپیتھی کے زیر علاج آیا تو چند دنوں میں چلنے پھرنے لگا۔ یہ ایک ۴۵ سالہ بزنس مین تھا اس کو ایک پیر کے گھٹنے کے ساتھ بخار آیا تھا۔ کئی دنوں بخار کا علاج ہوتا رہا۔ وہ اسپتال

میں داخل بھی رہا پر نہ بخار ٹھیک ہوا اور نہ درد۔ وہ بالکل مایوس ہو چکا تھا اور معذور بھی۔ بالکل چل پھر نہ سکتا تھا۔ جس پیر میں درد تھا اس کو ایک فٹ اوپر کر کے چلنے کی کوشش کرتا۔ اس کا وزن کم ہوتا جا رہا تھا۔ وہ کسی سے بات نہ کرتا تھا۔ نہ ہی بستر پر سے نیچے اُترتا تھا۔ ڈاکٹروں کی دوا نہ کھاتا تھا۔ دوا پر شک کرتا تھا۔ وہ کہتا کہ اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ ڈاکٹروں نے طرح طرح کی بیماریوں کے نام تجویز کئے تھے۔ جس پیر میں درد تھا وہ خشک ہو رہا تھا۔ سوکھ رہا تھا اور گھٹنا سوجتا جا رہا تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ میں نے اس مریض کو دیکھا نہ تھا۔ صرف احوال سنا تھا۔ لیکن چونکہ احوال سنانے والے نے ساری باتیں تفصیل سے بتائی تھیں اس لئے میں نے اس کے لئے فوراً نسخہ تجویز کر دیا۔ علامتیں بالکل واضح اور صاف تھیں۔

دوا نے فوراً اثر کیا دوسرے ہفتے اس کی بیٹی نے یہ رپورٹ بھیجی۔ اس کا خط چونکہ میری فائیل میں موجود ہے اس لئے اسے جوں کا توں نقل کرتا ہوں۔

خط کی عبارت۔ عرض گذارش ہے کہ ہمارے والد آپ کے زیر علاج ہیں۔ ان کے گھٹنے کا علاج چل رہا ہے۔ گھٹنے کی سوجن جوں کی توں ہے۔ بخار وغیرہ بالکل ٹھیک ہے۔ گھٹنا سیدھا نہیں ہوتا۔ سیدھا کرنے کی کوشش میں درد زیادہ ہوتا ہے۔ گیس بدبودار ہوتی ہے۔ پچھلے ہفتے دو تین دفعہ الٹی ہوئی تھی لیکن الٹی میں صرف پانی گرتا ہے۔ غذا وغیرہ نہیں گرتی۔ منہ اندر سے گرم رہتا ہے۔ برف کا شربت پینے کی خواہش ہوتی ہے۔ سلائس یا روٹی کھاتے ہیں۔ چاول نہیں کھاتے اور اگر کھاتے بھی ہیں تو اُلٹی آتی ہے۔ یا دیکھ کر ہی ابکائی آتی ہے۔ پیشاب پیلے رنگ کا ہوتا ہے۔ چوبیس گھنٹے میں صرف دو یا تین بار پیشاب ہوتا ہے۔ مزاج چڑچڑا ہے۔ مخالفت برداشت نہیں ہوتی۔ طبیعت میں

میں ضدی پن ہے۔ اپنے بستر کے علاوہ کسی دوسری جگہ نہیں بیٹھتے۔

غالباً اس کے پہلے احوال لکھ کر بھیجنے والا شخص کوئی دوسرا نہیں بلکہ اس کی یہی بیٹی تھی کس خوبصورتی سے علامتوں کا بیان ہے کہ اس میں کوئی مشکل نہیں۔ یہ ہمارے اس کالم کا اثر تھا کہ ذہین بیٹی نے اپنے والد کی بیماری کو واضح علامتوں کے ساتھ ایسا تحریر کیا کہ مکمل تصویر کھینچ دی۔

اور مجھے کوئی دقت نہ ہوئی اس کے والد کے لئے دوا بتانے میں۔ یہ شخص خوش قسمت تھا جو اپنی بیٹی کی ذہانت کی وجہ سے ٹھیک ہو گیا ورنہ وہ کچھ ایسی الجھی ہوئی بیماری کی شکنجے میں آ گیا تھا کہ مکمل طور پر اپاہج ہو جاتا۔

اس کیس میں دو دوائیں دی گئیں۔ پہلا نسخہ تھا ہائی وسائمس اور دوسرا کولچی کم۔ دونوں دواؤں نے اپنا اپنا اور اہم کام کیا۔ کچھ دنوں بعد یہ شخص اپنے دونوں پاؤں سے چلتے ہوئے اپنی ذہین بیٹی کے ساتھ مجھ سے ملنے آیا۔

یہاں اس گٹھیا کے مریض کا تذکرہ کیا جس کا گٹھیا کے ساتھ پیر خشک ہو رہا تھا۔ یہ مریض ایلوپیتھی طریقۂ علاج سے کبھی ٹھیک نہ ہوتا۔ لیکن ہومیوپیتھی کی دو دواؤں سے مکمل طور پر شفا پا گیا۔ ہومیوپیتھی اس قدر آسان نہیں ہے کہ ہر گٹھیا کے مریض کو آپ یہ دو دوائیں دینے لگ جائیں۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو یہ آپ کی کم فہمی ہو گی۔ ہومیوپیتھی کی ہر دوا ایک مکمل شخصیت ہے۔ اور یہ دوائیں اپنا اثر اس وقت دکھاتی ہیں کہ جب خدائے برحق کے قانون بالمثل کے مطابق ان کا استعمال کیا جائے۔

گٹھیا کا ذکر چل پڑا ہے تو گٹھیا کی ایک عجیب و غریب مریضہ کا کیس یاد آ گیا اُسے ایک مشہور فلم اداکارہ نے بھیجا تھا۔ کچھ عرصہ قبل میں نے اس اداکارہ کا علاج کیا تھا

اس مریضہ کی عمر کوئی ساٹھ سال کے قریب تھی۔ وہ ٹھیک طرح سے چل نہیں سکتی تھی۔ پہلی بار وہ اپنی بیٹی کے بازوؤں کا سہارا لے کر آہستہ آہستہ کسی طرح لنگڑاتے آئی تھی اس کو ایک ایک قدم اٹھانے میں کافی وقت لگتا تھا۔ آتے ہی اس نے اس فلمی اداکارہ کا حوالہ دیا جس نے اُسے بھیجا تھا وہ اس لئے کہ اسکے خیال سے میں اس پر زیادہ توجہ دوں گا۔ وہ بہت زیادہ باتونی قسم کی تھی اور اپنی بات منوانے کی عادی تھی۔

اس کے گھٹنے درد کرتے تھے۔ چلنے میں اُسے بہت تکلیف ہوتی تھی نہ وہ خود سے کھڑی ہو سکتی تھی نہ ہی چل سکتی تھی۔ ایک ایک قدم بڑھانے کے لئے اسے کسی کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ پنکھے کی ہوا سے اور سرد ہوا سے اسے زیادہ تکلیف ہوتی تھی۔ بارش میں زیادہ تکلیف ہوتی تھی۔ گھٹنوں کو ڈھانک کر رکھنے سے درد کو آرام آتا تھا اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں وزن رہتا تھا۔

دوہرا جسم سانولی رنگت اور ناک چڑھی قسم کی خاتون تھی۔ بات بات پر اس کے ماتھے پر شکن آ جاتی تھی۔ کئی برسوں سے وہ اس مرض میں گرفتار تھی۔ ڈاکٹروں حکیموں اور ویدوں سب سے اس نے اپنا علاج کروایا تھا لیکن اس کا مرض بڑھتا گیا۔ کئی برسوں پہلے وہ تیرتھ یاترا کے لئے گئی تھی وہیں پر کسی کنڈ میں اس نے اشنان کیا تھا اور اسی کے بعد سے پھوڑے پھنسیوں کی شکل میں ایک جلدی مرض ہو گیا۔ جس کو ٹھیک ہونے میں کئی برس لگے۔ اور اسی کے ساتھ اس کے پیر میں گٹھیا روگ لگ گیا۔ پھر دھیرے دھیرے جسم کے تمام جوڑوں میں اس کا اثر ہو گیا۔ وہ بہت زیادہ تکلیف میں مبتلا تھی لیکن اس نے صاف کہہ دیا کہ دیکھو ڈاکٹر میں نے سنا ہے کہ تمہاری دوا کھانے سے پہلے تکلیف بڑھتی ہے اور بعد میں اچھا ہوتا ہے۔ پر میرے کو ایسا نہ کرنا۔ میرے کو اچھا

Fear of extravagance K-Mind Fear

ہونا ہے۔ تکلیف بڑھنا نہیں مانگتا۔ اتنا تکلیف میرے کو چلتا ہے۔ پر وہ میرے کو نہیں مانگتا۔ دوا کچھ ایسا کرو کہ یہ کم ہو۔

قارئین آپ سوچتے ہوں گے کہ یہ کیا بات ہوئی۔ میں اس کے کہے ہوئے ہر جملے کو درج کر رہا ہوں۔ دراصل بات یہ ہے کہ یہی علامت ہے اہم علامت۔ ایسی مریضہ جو برسوں سے تکلیف اُٹھا رہی ہو۔ پر تھوڑی اور تکلیف بڑھنا اسے منظور نہیں۔ وہ اپنے اس درد سے کسی طرح سمجھوتہ کئے ہوئے تھی پر اس سے زیادہ اُسے قبول نہ تھا۔ بس یہی خاص اور اہم علامت تھی اور اسی علامت کی روشنی میں اس کو جو دوا دی گئی اس سے وہ بالکل ٹھیک ہو گئی۔ حالانکہ اس کو مکمل طور سے شفایاب ہونے میں کئی دن لگے۔ لیکن دوا صرف ایک خوراک ہی دی گئی۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کئی مہینے ہو جاتے ہیں لیکن مریض سمجھ میں نہیں آتا۔ ایسا ہی ایک شخص تھا وہ تاجر تھا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ بیس سال شادی کو ہو گئے تھے۔ وہ مکمل طور پر نامرد تھا ڈاکٹروں اور حکیموں اور ویدوں کے علاج پر ہزاروں روپے خرچ کر چکا تھا لیکن ایک بار بھی وظیفۂ زوجیت میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ بیوی بڑی خدا ترس تھی اس نے خاموشی سے اس راز کو چھپائے رکھا تھا وہ بڑا ہی مذہبی آدمی تھا۔ بظاہر نیک انسان نظر آتا تھا۔ البتہ جب اس کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو جاتی تھی تو وہ بے حد غصہ میں آ جاتا۔ وہ اپنی بیوی سے کہا کرتا تھا کہ وہ اُسے چھوڑ کر چلی جائے۔ وہ اس پر شک کرتا تھا۔ اس کو مارتا بھی تھا اور بعض اوقات اپنے آپ کو بھی مارتا تھا۔ اتنے سال علاج کروانے کے بعد وہ بالکل مایوس ہو چکا تھا۔

شروع شروع میں اس کو جو دوائیں دی گئیں ان سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کئی مہینے گذر گئے۔ آخر میں اس کو فائدہ ہوا وہ بڑا ہی خوش تھا۔ وہ کامیاب ہو گیا تھا۔ کچھ دنوں بعد وہ پھر آیا۔ وہ کچھ اور زیادہ طاقت ور بننا چاہتا تھا کچھ اور قوت چاہتا تھا کیونکہ اب وہ اپنی اس بیوی سے اُوب گیا تھا۔ اس سے جس نے اتنے دنوں خاموشی کے ساتھ اس سے نباہ کیا تھا۔

اور میں یہ سوچ رہا تھا کاش اس کا علاج نہ کیا ہوتا۔ اس کی بیوی کا معصوم چہرہ میرے سامنے تھا۔ جس نے اس کے علاج میں سب سے اہم رول انجام دیا تھا۔ واقعی انسان فطرتاً ناشکرا ہوتا ہے۔

دیکھا آپ نے کسی شخص کو پہچاننا کس قدر مشکل ہوتا ہے۔ مجھے اس کے علاج میں شروع میں اس لئے ناکامی ہوئی کہ میں اسے سمجھ نہ سکا۔ میں اسے نیک سیرت انسان سمجھتا تھا لیکن وہ چالاک و عیار تھا۔ ہومیوپیتھی میں یہ مقام سب سے مشکل ہے کیونکہ اگر کسی ایک کیس میں سَو میں سے ننانوے علامتیں کسی ایک دوا کی ہیں پر ایک علامت اس کے برعکس ہے۔ تب اس کی دوا نہیں ہو سکتی۔ آپ اس دوا سے اس کی ننانوے تکالیف کو ٹھیک ضرور کر دیں گے۔ لیکن اس کو مکمل طور پر شفایاب نہیں کر سکیں گے۔

اب اس نوجوان کا کیس بیان کروں گا اس کا کیس لینے میں مجھے ایک گھنٹہ لگا اور تقریباً اتنا ہی وقت اس بات میں لگا کہ اس کی دوا کیا ہے۔ حالانکہ اس کی بیشتر علامتیں ایک خاص دوا کی طرف اشارہ کرتی تھیں۔

یہ کوئی اکیس برس کا نوجوان تھا۔ اس کی پیدائش فسادات کے ماحول میں ہوئی

تھی۔ پیدائش کے بعد سے سوکھا روگ میں مبتلا ہو گیا۔ لیکن بڑا ہوا تو پہلوانی کا شوق پیدا ہوا۔ باڈی بلڈنگ پسندیدہ مشغلہ بن گیا اور باڈی بنائی بھی گذر اوقات کے لئے جب کام کی تلاش ہوئی تو رکشہ چلانا سیکھ لیا اور اس کے بعد ڈرائیونگ لائسنس کے چکر میں دن رات ایک کر دیئے۔ اتنے پیسے تھے نہیں کہ دلالوں کے ذریعہ لائسنس حاصل کرتا لہذا اس دوڑ دھوپ میں وہ کئی راتیں سو نہ سکا۔ اب اس کے مزاج میں ایک جھنجلاہٹ طاری رہنے لگی۔ ذہن میں طرح طرح کے خیالات اور وسوسے پیدا ہونے لگے اور پھر ایک دن اس کا دماغ خراب ہو گیا۔ دماغ اپنے آپ سوچتا۔ رات نیند نہ آتی آنکھیں جلتی تھیں۔ خیالات کی بھرمار۔ دماغ سے نکلتی نہ تھی۔ گویا ہر بات دماغ میں گھسی ہوئی ہو۔ کبھی سوچتا میں راجہ ہوں گا۔ کبھی کچھ اور سوچتا۔

اسی دوران اس میں جماعتوں کے ساتھ جانے کا شوق پیدا ہوا۔ ایک بار ایک جماعت میں بڑی جلالی شکل کے مولانا ملے۔ ایک تقریر کے دوران اس نے ان کا ہاتھ چھوا۔ اس تقریر میں مولانا صاحب نوجوانوں میں جوش بھر رہے تھے اور اس میں جوش پہلے ہی سے سمایا ہوا تھا۔ پھر کیا تھا اس میں جنون سوار ہو گیا۔ پاگل پن کے دورے شروع ہو گئے جماعت سے لوٹتے ہوئے ایک باؤلی میں کود گیا پھر اسپتال میں داخل کیا گیا۔

اسپتال سے چھٹی ملی تو اب میں کام کرنے کی خواہش نہ تھی۔ بس مذہبی جنون ہی سمایا ہوا تھا۔ کسی بات میں بھی من نہ لگتا تھا۔ دورہ پڑتا تو گالیاں بکتا یا جھگڑا شروع کرتا یا بھاگتا۔ نیند سے اُٹھ کر بھاگتا۔ ویسے اس کو نیند آتی نہ تھی اسے ہر وقت ایسا احساس ہوتا کہ کوئی شخص اسے دیکھ رہا ہے۔ ان جلالی مولانا کی آنکھیں اس کا

پیچھا کر رہی ہیں۔ اس کو ایسا لگتا گویا کوئی شخص اس کو مارنے کے لئے آگے بڑھ رہا ہے یہ خیال گھر کرتا کہ اس پر جادو کر دیا گیا ہے۔

لڑائی جھگڑے میں وہ بہادر تھا۔ دنگا فساد میں مقابلہ کرنے میں وہ سب سے آگے رہتا۔ کام کرنے پر آتا تو بہت کرتا ورنہ اونگھتا رہتا کسی سے بات نہ کرتا۔ لباتھدرم میں گانا بجانا اور خوش ہوتا۔

اس کیس میں اکثر و بیشتر علامتیں ہائی اوسائی مس کی تھیں لیکن پھر بھی کوئی چیز مانع تھی۔ میں یہ طے نہیں کر پا رہا تھا کہ ہائی اوسائی مس ہی اس کی دوا ہے یا کچھ اور؟ اور جو دوسری دوا میرے ذہن میں تھی اس کی تصدیق ضروری تھی۔ بس اسی لئے میں اس نوجوان کی ہر ہر بات کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ کس طرح بیٹھا ہوا ہے۔ کس طرح باتیں کرتا ہے۔ کس طرح پہلو بدلتا ہے وغیرہ وغیرہ اس کے والد جو اس کے ساتھ تھے زیادہ تر وہی اس کے بارے میں بتلا رہے تھے۔ باتوں کے دوران ایک اور اہم واقعہ ان کے ذہن میں آیا۔ کچھ روز قبل شدید بارش کی وجہ سے اُن کے شہر میں طوفان آ گیا تھا شہر کی ندی جو دریا سے ملتی تھی اس میں زبردست طغیانی آئی ہوئی تھی ہر طرف خطرے کے الارم بج رہے تھے۔ لیکن یہ نوجوان اس طوفانی دریا میں خوش ہو ہو کر غوطے لگا رہا تھا اور روکنے والوں سے کہتا تھا کہ مجھے ایک بڑا کام انجام دینا ہے

بس مجھے جس ثبوت کی تلاش تھی وہ مجھے مل گیا تھا اس نوجوان کو جو دوا دی گئی وہ کینسر تھی۔ یہ دوا کینسر سے بنتی ہے اور اس کو کارسینوسین کہتے ہیں اکثر نیم ہومیو پیتھ کینسر کے مرض میں مبتلا مریض کو یہ دوا دیتے ہیں۔ یہ ان کے جاہل پن کا ثبوت ہے کینسر کے مرض میں مبتلا اگر کسی مریض کو یہ دوا دی جائے تو وہ اور بھی زیادہ جلدی مر جائے گا

کینسر ایک مکمل وجود ہے اور اس وجود کو اگر آپ پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں تب اس شخص کو ضرور یہ دوا دے دیں یہ دوا اس شخص کی ہر بیماری کے لئے آب حیات ہو گی۔ یہی ہومیو پیتھی میں سب سے بڑا کنفیوزن ہے۔ جی ہاں بڑا کنفیوزن اسی لئے تو کہتا ہوں کہ ہومیو پیتھی محض کتابوں کے پڑھ لینے سے نہیں آ جاتی۔ بلکہ عبادت سے آتی ہے ریاضت سے آتی ہے سادھنا سے آتی ہے۔

کینسر کے وجود کو پہچاننا بڑا مشکل ہے۔ آج کل کی سوسائٹی میں ہر تیسرا بچہ کینسر کی زمین لیکر پیدا ہوتا ہے۔ اگر آپ میں علامتوں کو سمجھنے کی خداداد صلاحیت ہے تو آپ اس سوسائٹی میں بڑھتے ہوئے کینسر کو روک سکتے ہیں۔ ان بچوں کو آنے والے خطرات سے بچا سکتے ہیں انہیں مستقبل میں ہونے والے کینسر سے بچا سکتے ہیں!

جی ہاں ہومیو پیتھی کی آنکھ کیٹ اسکین اور ایم آئی آر سے زیادہ دور دیکھ سکتی ہے۔ اور قبل از وقت دیکھ سکتی ہے۔ اور ثابت بھی کر سکتی ہے جیسے یہ کیس وہ ایک نوجوان شخص قریب ۳۵-۳۶ سال اس کی عمر تھی اس کا کاروبار بیرونی ممالک تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کو یہ شکایت تھی کہ اکثر و بیشتر اس کا بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا تھا اور وہ اسی کے علاج کے لئے میرے پاس آیا تھا۔ اس سے پہلے وہ کئی معالجوں کے زیر علاج رہ چکا تھا میرے استاد محترم سے بھی اس نے اپنا علاج کروایا تھا۔ یہ جان کر میرا نروس بریک ڈاؤن ہونے لگا۔ میں نے یہ سوچا کہ میرے استاد کی نظروں سے تو کوئی علامت بھی بچی نہ ہو گی۔ پھر وہ کیوں ٹھیک نہ ہوا۔ میں نے اسے دوسرے روز بلایا تاکہ اسے زیادہ سے زیادہ وقت دے سکوں۔

دوسرے روز وہ دیئے ہوئے وقت کے مطابق آیا۔ وہ کئی برسوں سے کسی نہ کسی مرض میں مبتلا رہا تھا۔ اس کی ابتدا اس وقت سے ہوئی تھی کہ جب وہ کالج میں پڑھتا تھا۔ ایک روز بلا کسی وجہ کے اس کے پیشاب سے خون جانے لگا۔ اسپتال میں داخل کیا گیا۔ کئی طرح کے ٹسٹ کئے گئے اس کے بعد ایک ماہر سرجن نے یہ تشخیص کی کہ گردوں اور مثانے کو جوڑنے والی ایک نلی میں ایک بہت ہی چھوٹی سی گانٹھ ہے اور وہی پیشاب سے خون جانے کا سبب ہے۔ لہذا آپریشن کیا گیا۔ اور آپریشن سے اس چھوٹی سی گانٹھ کو نکال دیا گیا۔ کچھ دنوں تک تو سب ٹھیک ہی ٹھاک چلا۔ کالج کی پڑھائی ختم کرنے کے بعد اس نے اپنا بزنس شروع کیا۔ شادی کی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا بلڈ پریشر ہائی ہو گیا۔ پھر نئے سرے سے ٹیسٹ کئے گئے۔ اب ایک ماہر طبیب نے یہ تشخیص کی کہ جس مقام پر آپریشن کیا گیا تھا اس کی وجہ سے نلی میں کھنچاؤ آ گیا ہے جس سے گردوں کے کام میں دشواری آتی ہے اور اس وجہ سے بلڈ پریشر بڑھتا ہے۔

اب اس کے ہائی بلڈ پریشر کا علاج شروع ہوا۔ بلڈ پریشر جب قابو میں آیا تو کوئی دوسری پریشانی شروع ہوئی۔ بار بار دواؤں کے استعمال سے اس کا معدہ خراب ہو گیا جس سے ایسڈٹی، کی شکایت ہو گئی۔ غرض یہ کہ وہ کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا اور علاج کراتا رہا۔ اسی دوران اس کو کمر میں شدید قسم کا درد ہوا جس کا کوئی ظاہری سبب نہ دریافت کیا جا سکا۔ کمر کا درد پیروں میں اترا۔ اب یہ لنگڑی کا درد تھا عرق النساء یہ درد بڑا جان لیوا تھا۔ وید حکیم سب آزمائے گئے۔ لیکن ایک نیم حکیم کے علاج سے وہ ٹھیک ہوا۔ وہ نیم حکیم اس کی کمر پر لات مارا کرتا تھا۔ لات مارنے

کا یہ طریقہ چینیوں کا بہت پرانا طریقہ ہے۔ اس میں معالج کی عقل کو کوئی دخل نہیں ہوتا غرض یہ کہ قدیم زمانے سے ان کا چلن رہا ہے ان سے نسوں میں درد لے جانے والے خلئے اپنا راستہ بدل دیتے ہیں۔ بیماری اپنی جگہ رہتی ہے۔ لیکن مریض کو درد نہیں ہوتا

خیر کسی طرح اس کے پیروں اور کمر کی تکلیف کم ہوئی تو نیند غائب ہو گئی۔ یعنی بیماری ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گئی تھی۔ ایسا ہی اکثر مریضوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ اس لات مارنے والے دیسی ڈاکٹر کا مداح تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس کا درد اب دوسرے مقام پر منتقل ہو گیا تھا۔ پیر سے سر کی طرف۔ اسی وجہ سے اس کی نیند غائب تھی۔ نیند غائب ہوئی تو سر درد شروع ہو گیا۔ روز روز سر درد وہ بڑا پریشان تھا ایک چیز ٹھیک ہوتی تو دوسری آجاتی۔ اب ڈاکٹروں نے اور نئے نئے ٹسٹ کئے۔ چونکہ وہ بڑا آدمی تھا اور علاج پر بڑی سے بڑی رقم خرچ کر سکتا تھا۔ لہذا ڈاکٹروں نے اس کے کچھ ٹسٹ امریکہ اور انگلینڈ میں کروائے۔ لیکن اس کے بعد بھی ڈھاک کے تین پات نہ نیند کا خلل درست ہوا اور نہ بلڈ پریشر قابو میں آیا۔

اب اسے بلڈ پریشر اور نیند کے لئے گولیاں کھانی پڑتی تھیں۔ اسی وجہ سے وہ دیگر طریقہ علاج کی طرف مائل ہوا تھا کیونکہ وہ یہ جانتا تھا کہ روز روز کی گولیاں کھانا صحت کے لئے ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے باتوں کے دوران اس کی دوا تشخیص کر لی تھی اور یہ بھی جان گیا تھا کہ میرے استاد کی نگاہوں سے کون سی علامت بچ گئی تھی۔ وہ بہت آسان کیس تھا۔ شروع سے اب تک ایک ہی دوا کا کیس۔ وہ سر سے پیر تک کینسر تھا۔ اور کینسر کا بیج اس کی زرخیز زمین میں اگنے کے لئے راہ ہموار کر رہا تھا اس سرجن نے جسے گانٹھ سمجھ کر گردوں کے پاس سے نکالا تھا وہ منتقل ہو کر اس کی

ریڑھ کی ہڈی کے پاس چلی گئی اور پھر وہاں سے کہیں اور۔
بیماری ایسی ہے۔ تم ڈال ڈال تو ہم پات پات۔ لیکن اگر معالج کی آنکھ مصنوعی
ذرائع سے کہیں زیادہ تیز ہو تو وہ ایسے ہی روپوش کینسر کو ڈھونڈ نکالتا ہے۔

اس مریض کو کارسی نوسین طاقت دو سو میں صرف ایک خوراک دی گئی۔
کئی مہینوں تک وہ باقاعدگی سے میرے پاس آتا رہا۔ لیکن اس کے بعد اسے کوئی بھی
دوا نہ دی اس کی ہر پریشانی ٹھیک ہو گئی تھی۔

جب میں کینسر کے وجود کی بات کرتا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے کینسر
ہوا تھا بلکہ کینسر کے لئے وہ سازگار زمین رکھتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ٹی، بی
کا وجود ہوتا ہے۔ کینسر کے وجود کو اور بھی زیادہ واضح کرنے کے لئے میں اس شخص
کی ذاتی زندگی سے تعلق رکھنے والا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ اس وقت تک خود مجھے
اس بات کا علم نہ تھا۔ یہ بات میرے علم میں بعد میں آئی۔

اس کے وطن میں اس کا ایک ذاتی مکان تھا جو کہ دریا کے کنارے تھا
ایک تقریب میں سب ہی رشتہ دار عزیز وہاں جمع ہوئے تھے۔ اس کی چھوٹی بہن اور اس
کا شوہر بھی تھے۔ سارا گھر آباد تھا بڑی چہل پہل تھی۔ دوپہر کے وقت کچھ افراد
گھر کے دریا میں نہانے گئے۔ اس کا بہنوئی بھی اس کے ساتھ تھا۔ اسی وقت دریا میں
طوفان آگیا۔ باقی لوگ تو کسی طرح کنارے آگئے۔ لیکن اس کا بہنوئی نہ آسکا۔ گھر میں
کہرام برپا تھا گاؤں کے مچھیروں نے بھی دریا میں جانے سے انکار کر دیا تھا۔ کوئی راضی
نہ ہوا، سب کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ مر گیا ہے۔ جب یہ گھر آیا اور صورتحال سے
آگاہ ہوا تو فوراً طوفانی دریا میں کود گیا اور گھنٹوں اپنے بہنوئی کو تلاشتا رہا۔

اور آخر میں کامیاب ہوا۔ وہ اپنے بہنوئی کو زندہ تو نہ بچا سکا لیکن اس کی لاش کو
نکال کر باہر لے آیا۔

یہ ہے کینسر دیکھا آپ نے۔ کینسر ایک آگ ہے۔ اور آگ طوفانوں سے کھیلتی
ہے۔ اگر آپ کو ایسے طوفانوں سے کھیلنے والے اشخاص نظر آئیں تو یقین مانیئے
کہ یہ دوا ان کی ہر مشکل کا مداوا ہے۔ لیکن اگر ایسے اشخاص کینسر کے مرض میں مبتلا ہو
چکے ہیں اور کینسر نے اپنی جڑیں مضبوط کر لی ہیں تب انھیں ان کے کینسر کے ساتھ ہی
رہنے دو۔ وہ کینسر کے ساتھ زندہ رہیں گے۔ لیکن اگر آپ نے آپریشن کے ذریعہ ان
کے کینسر کو نکالنے کی نادانی کی تب یہ دیکھیں گے کہ ان کا آخری وقت انتہائی اذیتناک
ہو گا۔ وہ بہت جلد اور بہت زیادہ تکالیف میں مبتلا ہو کر مریں گے۔

ہومیوپیتھی ایک اٹل سچائی ہے۔ جو اس حقیقت کو نہیں مانتا وہ خود اس کا
تجربہ کرے۔ مشاہدہ کرے۔ اور جو اس کے بعد بھی نہ مانے اس سے بڑا جاہل کوئی
دوسرا نہیں ہو سکتا۔

بعض دوائیں آپس میں اس قدر مشابہ ہوتی ہیں کہ ان میں تفریق کرنا بڑا مشکل
مرحلہ ہوتا ہے۔ جہاں بال برابر فرق ہو تب یہ اور مشکل ہے۔ اسطرح تو یہ نہیں ہے کہ آپ
دواؤں کا مکسچر بنا کر مریضوں کو دے دیں۔ یہاں ہم نے کینسر کا وجود رکھنے والے
دو اشخاص کا، دو مریضوں کا تذکرہ کیا، دونوں اس دوا سے ٹھیک ہوئے۔ پہلا مریض
جنون کا تھا اور دوسرا ہائی بلڈ پریشر کا۔ لیکن دوا دونوں کی ایک تھی۔ کیونکہ ان دونوں
میں زیادہ فرق نہ تھا۔ البتہ پہلے مریض کی دوا کی تشخیص میں مجھے کافی وقت لگا تھا
وجہ میں نے بتا دی کہ اس میں بیشتر علامتیں ہائیوسائمس کی تھیں لیکن وہ ہائیوسائمس
نہیں تھا۔

اسے مزید دلچسپ بنانے کے لئے ایک اور کیس کا تذکرہ کروں گا۔ ذرا جانئے کہ یہ کون ہے یہ ایک اٹھارہ سالہ خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کی آنکھیں غزالوں کے جیسی تھیں، چہرے پر بے پناہ کشش تھی۔ لیکن گردن موٹی تھی۔ بس یہی ایک نقص تھا اور یہی ہمارے لئے اہم تھا۔ کیونکہ اگر اس کی گردن بھی پتلی ہوتی صراحی دار، تب پھر اس کی دوا دوسری ہوتی۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ہم اپنے مریضوں کا اتنی باریکی سے جائزہ لیتے ہیں تو اس کا جواب ہے، جی ہاں!

اگر اتنی باریکی سے جائزہ نہ لیں تو ان کی دوا تشخیص کر ہی نہیں سکتے۔ اگر وہ مریض بن کر آیا ہے تب تو اس کا کوئی بھی پہلو ہم سے اوجھل نہ ہوگا۔ ہم کسی کے ہونٹ دیکھ کر اس کی دوا تشخیص کر دیتے ہیں۔ کسی کی انگلیاں دیکھ کر، کسی کے ناخن کو دیکھ کر کسی کی پلکیں دیکھ کر۔ ہومیوپیتھی ہے ہی وہ فن کہ اگر آپ اس کی گہرائی میں اتر چکے ہیں تب تو محض کسی کے بال دیکھ اس کی دوا بتائی جا سکتی ہے۔ بالوں کی رنگت، بالوں کی خوشبو، بالوں کا لمس۔ چاہے وہ مریض آپ کے سامنے موجود ہو یا نہ ہو آپ اس کی دوا تشخیص کر سکتے ہیں۔

ہاں تو ہم اس دوشیزہ کی بات کر رہے تھے۔ جس کی گردن موٹی تھی، مگر اس کی آنکھیں ہرنی کی طرح معصوم اور بھولی بھالی۔ اس کو فٹ کی بیماری تھی۔ دو سال سے اس کو فٹ آتے تھے یعنی جب شباب آیا تو بیماری بھی ساتھ آئی۔

فٹ کے دوران اسے الٹی ہوتی تھی اور الٹی میں صفرا نکلتا تھا۔ بعض اوقات پیت کے ساتھ خون بھی آتا تھا۔ اس کے سینے میں درد ہوتا تھا اسے قبض کی شکایت رہتی تھی۔ اس کے ہاتھ نرم و نازک تھے۔ اس کے گلے میں خراشیں تھیں۔ فٹ کے

دوران اُسے جمائیاں آتی تھیں خون اُلٹی کرنے کے بعد اس کی طبیعت اور زیادہ خراب ہو جاتی۔ فٹ کے دوران وہ روتی تھی۔ اکیلے میں بھی روتی تھی۔ کسی بات کا جواب نہ دیتی تھی۔ پسینہ زیادہ آتا تھا۔ فٹ کے جھٹکوں کے دوران اُسے جمائیاں آتی تھیں۔ وہ اپنے غصہ کو بہت ضبط کرتی تھی۔ فٹ کے دوران اس کی زبان باہر نکل آتی تھی، وہ منہ ہی منہ کچھ بڑبڑایا کرتی تھی۔ فٹ کے دوران اُسے پورا ہوش رہتا تھا۔ لیکن باقی باتوں پر اس کا کنٹرول نہ تھا وہ اپنی دادی سے ناراض تھی۔ فٹ کے دوران وہ کہا کرتی تھی کہ اس کی دادی نے اس پر جادو کر دیا ہے۔

یہ پورا کیس ہماری بیگم نے لیا تھا۔ ہماری بیگم بہت ذہین اور تیز ہومیوپیتھ ہیں۔ لیکن اُن کا دھیان اس کی گردن پر نہ گیا ہوگا اور نہ ہی اس کی آنکھوں کی دلکشی پر۔

اب آپ ہی سوچئے کہ اگر آنکھیں تو غزالی ہیں لیکن گردن بکرے کی سی ہے۔ تب اس کا مطلب کیا؟ مطلب یہ ہے کہ کائناتی سطح پر جب اس کا وجود مادی شکل اختیار کر رہا تھا تب ضرور کوئی گڑبڑ ہوئی تھی۔ ورنہ اتنی خوبصورت لڑکی کی گردن کبھی اتنی موٹی نہ ہوتی۔ آپ ہومیوپیتھی کو کیا سمجھتے ہیں۔ خالہ اماں کا گھر۔ ہماری سرکار ہومیوپیتھی کے کالجوں کے کھولنے کے لئے بڑی فیاضی کا ثبوت دیتی ہے پر کیا ان کالجوں میں ہومیوپیتھی کی روح کو سمجھا اور سمجھایا جاتا ہے۔ اس طرح ہومیوپیتھی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ البتہ ان خاندانوں کا ضرور فائدہ ہوتا ہے جن کے لئے ایسے ادارے نوٹ چھاپنے کی مشین بنے ہوئے ہیں۔

یہ مریضہ بائیوسائمس طاقت ایک ہزار کی ایک خوراک سے ٹھیک ہوئی۔ مکمل طور پر شفایاب ہوئی۔ بائیوسائمس کے متعلق ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ کیا ہے۔ پچھلے

شماروں میں اُسے تلاشئے اور ایک بار پھر اسے پڑھئے۔ ہائیو سائنس کو ڑے کرکٹ میں کھلنے والا پھول ہے۔ اگر آپ کو کائناتی رازوں کا پتہ ہے۔ تب آپ اس حسینہ کی موٹی گردن کی وجہ ضرور جان جائیں گے۔

اب ایک اور زیادہ پیچیدہ کیس کا حال سناؤں گا۔ وہ ۲۵ سالہ شادی شدہ خاتون تھی۔ بڑے باپ کی بیٹی تھی۔ کئی بھائی بہن تھے۔ اس کی شادی ہوئی لیکن شادی کے ساتھ ہی بربادی شروع ہوئی۔

جدید ماحول میں پرورش پانے والے اکثر بچے اپنی ضمیر کی آواز سے پریشان ہو اٹھتے ہیں اور اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے ان سے سرزد ہوئے گناہوں کا اعتراف کر لیتے ہیں تاکہ ان کا ضمیر صاف ہو جائے۔ لیکن دقیانوسی قسم کا سماج جو خود تو گلے تک برائیوں میں ڈوبا ہوتا ہے ان باتوں کا دوسرا مطلب نکالتا ہے۔

شادی کی رات اس نے اپنے شوہر سے بتا دیا کہ وہ پاک نہیں ہے۔ بچپن میں اس سے نادانی ہو گئی۔ ہنی مون کی ترنگ میں شوہر نے اس بات کو درگزر کر دیا۔ اور اس کا من بھی ہلکا ہو گیا۔ ضمیر صاف ہو گیا کہ اس نے اپنے شوہر کو دھوکے میں نہ رکھا۔ لیکن جب کچھ دن گزر گئے اور ہنی مون کا سرور ختم ہوا تو زندگی کی تلخ حقیقتوں کا سامنا ہوا۔ اس کا شوہر جس نے پہلے فیاضی دکھائی تھی وہ اب اس پر لعن طعن کرنے لگا۔ بات بات پر اس پر اور اس کے خاندان پر کیچڑ اچھالتا تھا۔ یوں اسطرح اس کی زندگی عذاب بن گئی اس پر پاگل پن سوار ہو گیا۔ ہر وقت ایک عجیب طرح کی دیوانگی اس پر سوار رہتی تھی۔ کبھی ٹھیک رہتی۔ نمازیں پڑھتی۔ تلاوت کرتی۔ دعائیں مانگتی۔ اور کبھی پاگلوں کی سی حرکتیں کرتی۔ شوہر یہ کہتا کہ وہ بڑے باپ کی بیٹی ہے اس لئے غرور سے سر چڑھا کرتی ہے،

حالانکہ وہ اُسے مارتا بھی تھا اور طرح طرح سے اذیت دیتا تھا۔

شروع میں اس کا علاج دماغ کے ڈاکٹروں نے کیا۔ اس کو شاک لگائے گئے نیند کی گولیاں کھلائی گئیں۔ لیکن حالات جب زیادہ بگڑے تو تحلیل نفسی کے ماہرین سے رجوع کیا گیا۔ تحلیل نفسی کے ماہرین صرف اس کی تحلیل نفسی ہی کر سکتے تھے۔ وہ اس کے بچپنے میں لے جاتے تھے۔ اور جب بچپن کے واقعات زیادہ صاف ہوتے تو اس پر اور زیادہ جنون سوار ہوتا۔ کبھی جنون کبھی افسردگی۔ کبھی ہنسی کبھی رونا۔ کبھی باتیں کبھی خاموشی۔ کبھی گالیاں بکے اور کبھی عبادت کرے۔

وہ حد سے زیادہ حساس تھی اور چڑچڑی۔ پاگل پن اور دیوانگی کے علاوہ اس کی دوسری شکائتیں بھی تھیں اور اسی کا علاج کروانے کی غرض سے وہ ہمارے پاس آئی تھی۔ یہ دوسری شکایت اس کی ماہواری کی خرابی تھی اس کی ایک سہیلی نے اس کو ہمارے پاس بھیجا تھا۔ اس کو بھی اسی طرح کی شکائتیں تھیں۔ ہمارے علاج سے ٹھیک ہوئی تھی۔ اس کو ایام برابر نہیں آتے تھے کبھی کم تو کبھی زیادہ۔ کبھی درد کے ساتھ۔ پیڑو اور پیٹ میں اینٹھن کے ساتھ درد ہوتا۔ پہلی بار وہ اپنے شوہر کے ساتھ آئی تھی۔ پھر وہ اپنی بہن کے ساتھ آئی۔ اس کی بہن نے اس کے شوہر کے رویے کا ذکر چھیڑا۔ اس کا شوہر خود اکیلے میں ہم سے آکر ملا۔ اس نے جو اظہار کیا گویا وہ خود عذاب میں مبتلا ہو ایسی دیوانی اور پاگل لڑکی سے شادی کر کے۔ غرض یہ کہ اس کے بارے میں اس کے شوہر نے بتایا۔ کچھ اس کی بہنوں نے بتایا۔ کچھ اس کی ایک بھابی نے بتایا۔ خود اس نے کچھ نہ بتایا۔ وہ صرف اپنی ماہواری کی خرابی کا علاج کروانا چاہتی تھی۔ اس کے علاوہ اس کو اختلاج قلب کی بھی شکایت تھی۔ لیکن وہ اس کے لئے سائیکو تھیراپسٹ اور رسائی کیا

ڈسٹ کا علاج کرواتی تھی ۔ مجھ سے صرف مہینے کی خرابی کا علاج کروانا چاہتی تھی ۔
اکثر مریض ایسا ہی سوچتے ہیں ۔ اعضا کے مطابق الگ الگ بیماریوں کو ان کے مطابق علاج کروانا چاہتے ہیں اور اکثر معالج بھی تو ایسے ہی ہوتے ہیں کہ اعضاء کے مطابق بیماریوں کا نام تجویز کرتے ہیں ۔ پھر ان مریضوں کا کیا قصور اس لئے مریض یہ سوچتا ہے کہ پہلے میری یہ بیماری ٹھیک ہو جائے ۔ پھر میں دوسری کا تذکرہ کرونگا جبکہ شفا کا قانون یہ کہتا ہے کہ دوا ایک اس کی ہر تکلیف کے لئے ۔ اس کی ہر پریشانی کے لئے ۔ اگر آپ مریض کی الگ الگ بیماری اور شکایت کے لئے الگ الگ دوا تجویز کر رہے ہیں تب آپ علاج نہیں کر رہے ہیں بلکہ جھاڑ پھونک رہے ہیں ۔

کچھ دنوں تک وہ باقاعدگی کے ساتھ آتی رہی ۔ کبھی اس کے ساتھ اس کا شوہر بھی ہوتا کبھی اس کی بہنیں اور کبھی اس کی بھابھی ۔ پھر ایک روز وہ اکیلی آئی ۔ ڈری ، ڈری ، سہمی سہمی ۔ بار ، بار پیچھے مڑ کر دیکھتی تھی کہ کوئی اس کی باتیں سن تو نہیں لیگا ۔ دراصل وہ سائکیاٹرسٹ اور سائیکو تھراپسٹ معالجوں کے علاج کے دوران یہ سمجھ گئی تھی کہ اس کی پریشانیوں کا حل ان کے پاس نہیں ہے ۔ دوسرے وہ ہومیو پیتھک علاج سے کچھ کچھ مانوس بھی ہو چلی تھی اس لئے اس نے سوچا کہ سب کچھ بتا دے ۔ اور یہی اس نے سمجھداری کا کام کیا تھا ۔

وہ واقعی بڑی پریشانیوں میں گھری تھی ۔ طرح طرح کے خیالات اس کا پیچھا کرتے ۔ کبھی اس کو لگتا کہ وہ براہ راست خدا سے بات کرتی ہے ۔ اس پر وحی نازل ہوتی ہے ۔ کبھی اس کے ذہن میں پراگندگی بھر جاتی ۔ شہوانی خیالات سر ابھارتے وہ خود لذتی کی عادت میں مبتلا تھی ۔ اس کا جواز بھی اس نے یہ دیا کہ ایسی صورت میں وہ خدا سے

بہت نزدیک ہو جاتی ہے ۔ گویا اپنے ہاتھ سے اپنے نفس کی خدمت کرنا اس کے نزدیک عبادت تھا ۔

وہ بڑی الجھی الجھی باتیں کرتی تھی ۔ وہ اپنے شوہر کو ایک جانور سمجھتی تھی جس نے اس کے جذبات مجروح کئے تھے ۔ وہ اس سے الگ بھی نہیں ہونا چاہتی تھی ۔ اپنے خاندان کی عزت و ناموس کی خاطر اس کے ساتھ رشتۂ ازدواج سے بندھی رہنا چاہتی تھی ۔ باتوں کے دوران وہ رونے لگ جاتی اس کو دلاسہ دیتا تو اور بھی زیادہ رونا شروع کر دیتی ۔ پہلی رات اپنے شوہر سے جس بات کا اس نے تذکرہ کیا تھا اس بات کا بھی اس نے تذکرہ کیا اور اس کا ردعمل جو ہوا اس کا بیان بھی کیا ۔ وہ باتیں بہت کرتی تھی ۔ غصہ میں بھی آجاتی تھی ۔ دوسروں کی اس کو قطعی پرواہ نہ تھی ۔ سب سے الگ تھلگ تھی ۔

کافی دیر اور کئی پہلوؤں سے اس کے مسائل پر غور کرنے کے بعد میں کسی نتیجے پر نہ پہنچا ۔ میں اس کیس کی مزید اسٹڈی کرنا چاہتا تھا ۔ اس سے اور بھی کچھ اگلوانا چاہتا تھا ۔ میں اس کی مکمل تحلیل نفسی کرنا چاہتا تھا ۔ اس لئے اسے دوبارہ ملاقات کا وقت دیا ۔

دوسری ملاقات میں اس نے کچھ اور تفصیل سے بتایا ۔ بچپن کے واقعات ۔ اس نے کہا کہ اس کے گھر میں ایک شخص کا آنا جانا تھا ۔ وہ اس شخص کی طرف مائل ہو گئی اس کی طرف کھنچتی چلی گئی اور پھر اس کے ساتھ سب کچھ ہو گیا ۔ وہ اسے پسند کرتی تھی اسی درمیان ایک دوسری لڑکی جو اس کی سہیلی تھی اس کے اور اس شخص کے درمیان آگئی اور وہ شخص اس کی طرف چلا گیا ۔ اس کے بعد اس کی زندگی ویران ہو گئی ۔ کسی

کام میں اس کا من نہ لگا۔ گم سم سب سے الگ تھلگ رہنے لگی۔ گھر والوں نے ڈاکٹروں کو بتایا۔ ڈاکٹروں نے ڈپریشن کی بیماری تجویز کی۔ دوائیں کھا کھا کر کب اس کو شباب آیا اس کو پتہ نہیں۔ اور پھر اس کی شادی ہو گئی۔ شوہر کے ساتھ پہلی رات میں اس نے جو اس کے ساتھ گذرا تھا اسے بتا دیا یہ سوچ کر کہ اس طرح اس کا ضمیر ہلکا ہو جائے گا۔

اکیلے میں یہ اس سے میری دوسری ملاقات تھی مگر پھر بھی میں اس کی دوا نہ جان سکا۔ کبھی وہ نیٹرم میور لگی۔ نیٹرم میور یعنی نمک۔ نمک جس میں زیادہ ہوتا ہے وہ لڑکی جانے انجانے میں دوسروں کی خوبیوں کی طرف کھنچتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس سے جنسی تعلقات قائم کر لیتی ہے۔ پھر بعد میں پچھتاتی ہے روتی ہے آہیں بھرتی ہے۔ اپنے اندر ہی اندر گھٹتی رہتی ہے روتی رہتی ہے۔ پر کسی سے کچھ کہتی نہیں۔

پر کیا وہ نیٹرم میور تھی؟ شائد نہیں تھی۔ کیونکہ باتوں کے دوران اس پر خود سری چڑھتی تھی وہ طیش میں آجاتی تھی۔ دنیا کو سماج کو حقارت سے دیکھتی تھی اس کو دوسروں کی پرواہ نہ تھی۔ یہی بات نیٹرم میور کے خلاف جاتی تھی۔ کیونکہ نیٹرم میور سب کچھ خاموشی سے برداشت کرتا ہے۔ دوسرے اس پر شہوانی خیالات کا غلبہ رہتا تھا اور وہ خود لذتی کے شغل میں مبتلا ہو جاتی تھی۔ شادی کے بعد بھی وہ ایسا کرتی تھی۔ وہ ہر بات کا پختہ جواز پیش کرتی تھی۔ اپنے آپ کو قصوروار کہیں نہ مانتی تھی۔ البتہ بچپن میں ہوئی نادانی سے پشیمان تھی۔

یا خدا یہ کیا ہے؟ کئی دنوں تک اس کے کیس پر غور کرنے کے بعد بھی میں کسی

خاص نتیجے پر نہیں پہنچ پایا تھا۔ لہذا اسے تیسری ملاقات کا وقت دیا۔ اس دوران اس نے اپنے نفسیاتی معالجوں سے ہمارا تذکرہ کر دیا تھا۔ وہ ہم سے ملنا چاہتے تھے۔ پہلی بار یہ لگا کہ خدا کا شکر ہے ہومیوپیتھک معالج کو بھی اہمیت دی جا رہی ہے۔

تیسری ملاقات میں اس نے کچھ اور باتیں بتائیں۔ لیکن پھر بھی میری تسلی نہیں ہو رہی تھی۔ مجھے اس بات کا پورا یقین تھا کہ کہیں تو کچھ جھول ضرور ہے۔ کیونکہ جو شخص اس کے گھر آتا جاتا تھا وہ کون تھا کیا شادی شدہ تھا۔

دوسری بات یہ کہ اس کی سہیلی میں دلچسپی لینے کے بعد بھی کیا وہ اسی طرح ان کے گھر آتا جاتا رہا تھا۔ وہ اس کے لئے اتنی زیادہ جذباتی کیوں تھی کہ شادی ہو جانے کے بعد بھی اس کا تذکرہ آتا تو وہ رو دیتی تھی۔ اور کیا اب بھی اس کا آنا جانا تھا کیونکہ جب اس نے اپنے شوہر سے اس کا تذکرہ کر دیا ہے اور اب بھی وہ شخص ان کے گھر آتا جاتا ہے تب تو شوہر کا چراغ پا ہونا بجا ہے۔

میرے اس طرح کے سوالوں سے وہ لاجواب ہو گئی اور پھر اس نے حقیقت بیان کر دی۔ حقیقت اور بھی زیادہ تلخ تھی وہ شخص کوئی دوسرا نہیں تھا بلکہ اس کا اپنا بھائی تھا۔

بچپن سے وہ اس کے ساتھ جنسی فعل میں مبتلا تھی۔ اس کے علاوہ گھر میں ایک اور شخص آتا جاتا تھا۔ وہ بھی اس کے ساتھ وہی حرکت کیا کرتا تھا۔ ڈرا دھمکا کر۔ اس نے یہ بات اپنے بھائی سے کئی بار بتائی لیکن اس کی رگِ حمیت کبھی نہ پھڑکی وہ اپنے بھائی کے ساتھ یہ سب اپنی مرضی سے کرتی تھی۔ لیکن اس دوسرے شخص کے ساتھ اسے مجبوراً کرنا پڑتا تھا۔

اب یہ کیس اور بھی الجھ گیا تھا۔ مگر مجھے اس کا علاج کرنا تھا۔ اس کا پاگل پن بھابی کے رویّے سے ہوا تھا۔ جب اس کے بھائی کی شادی ہوگئی تب وہ اور زیادہ بیمار پڑ گئی اس میں شہوانی خیال کی بھرمار تھی۔ وہ اپنے ضمیر سے بھی پریشان تھی۔ وہ اپنا مستقبل بھی بنانا چاہتی تھی۔ وہ آخرت میں بھی سرخ رو ہونا چاہتی تھی۔ دراصل یہی ملے جلے تأثرات تھے جنھوں نے اسے بیمار کر دیا تھا اُسے پاگل کر دیا تھا۔

اکثر دماغ کے ڈاکٹر تو دماغی مریضوں سے زیادہ پاگل ہوتے ہیں اس لئے ان کے پاس بس ایک علاج ہوتا ہے کہ شاک لگا دو۔ تاکہ مریض کی اپنی شخصیت ہی بدل جائے۔ وہ وہ نہ رہے۔

اب یہ کیس بالکل صاف تھا۔ میں اس کی دوا کی تجویز کر چکا تھا۔ اس دوا کی چند خوراکیں اسے دیں اور کچھ دنوں میں رفتہ رفتہ بالکل ٹھیک ہوگئی بالکل شفایاب اب وہ ایک تندرست اور صاف ذہن کی شخصیت ہے۔ اور اپنے شوہر کے ساتھ ہنسی خوشی رہتی ہے۔

یہ دوا کیا ہے؟ اس سے پہلے میں آپ کو اس کیس کی واضح اور مجرب علامتیں بتلا دوں۔ ہومیوپیتھی کی تشخیص دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی! اور یہ سب خدا کے قانون بالمثل کے مطابق۔ علامت (۱) خیالات میں پراگندگی۔ افسردگی اور پست حوصلگی۔ علامت دو۔ مشکل سے رونے کو روک سکے۔ علامت تین۔ لاپرواہ، ان تمام باتوں سے جو اس کے متعلق کی جا رہی ہیں۔ علامت چار متفکر اور پریشان، ساتھ میں گالی دینے کی رغبت۔ علامت پانچ حیض کی بے قاعدگیاں۔ اور سب سے اہم اور خاص علامت دل میں مذہبی اور دل میں

شہوت سوار۔ یہاں تک کہ خود لذّتی کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھے۔

دوا کا نام للیئم ٹگ۔ Lilium Tig طاقت ۳۰ میں ۳ خوراکیں دی گئیں

اب ایک اور دلچسپ مریضہ کا تذکرہ کرتا ہوں۔ لیکن یہاں دوا آپ کو بتاتی ہے کیونکہ گذشتہ ابواب میں ہم ایسی علامتوں کا تذکرہ کر چکے ہیں جو اس دوا کی پہچان ہے۔

مریضہ کی شکایت۔ کمر کی ہڈی میں درد اور چمک۔ ایام حمل میں شدید درد ہوتا ہے۔ سر کے پچھلے حصے میں چمک۔ جھٹکے سے اٹھنے بیٹھنے پر آنکھوں کے سامنے اندھیرا۔ معمولی دھماکہ پر دھڑکن جو کافی دیر تک قابو میں نہیں آتی۔ نقاہت کی بنا پر غشی طاری ہونا۔ بس ٹرین، راشن کی دکان، شارع عام کی پرواہ کئے بغیر گر جانا۔ بہت زیادہ صبر و تحمل، لیکن کبھی کبھی اچانک غصہ آجانا۔ ایسی صورت میں کبھی تو چڑچڑاپن اور کبھی آنسو۔ نقاہت، خون کی شدید کمی۔

کچھ دور پیدل چلنے پر پیر سوج جانا۔ پنڈلیوں میں درد۔ پنڈلی پر مردانہ انداز کے بال۔ سر میں روزانہ وقت بے وقت درد ہونا۔ پیٹ میں کیڑوں کی بھی شکایت رہتی، بچپن ہی سے۔ مگر کوئی باقاعدہ دوا کبھی نہ ہوئی والد نے والدہ کو گھر سے نکال دیا تھا۔ جس کا اثر دل پر بہت ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ۱۳ سال تھی۔ آج بھی حرکتیں بالکل بچکانی ہیں۔ والد سے بیزاری کا اظہار۔ لیکن پھر کبھی والد کو یاد کر کے رو دینا۔

عہد نوخیزی سے ہی سفید پانی کا اخراج۔ نیند ماشاءاللہ نہ جگاؤ تو ۲۴ گھنٹے بھی سوئے۔ دن بدن کاہل ہوتے جانا۔ پانچ کلو اناج نہیں لا پاتی

اکثر راشن کی دوکان کی لائن یا بازار سے انہی کو پکڑ کر لانا پڑتا تھا۔ مخلص عورتیں گھر تک لے کر آئیں۔ جس کروٹ سونا اس طرف کا سارا جسم سن ہو جانا۔ ہاتھ کی، انگلیاں بند کلی کی طرح اکڑ جاتی ہیں۔ سوتے وقت بعض اوقات رال بہنا۔

معمولی چھینک یا کھانسی کے ساتھ پیشاب خطا ہو جانا۔ بے انتہا کمزوری لاغری اور نقاہت، کچھ دن قبل بلڈ پریشر بالکل کم ہو گیا تھا۔ قریب ۴ ماہ کی حاملہ۔ شادی کے بعد تک مرچیں کھانے کا شوق تھا۔ ایک وقت میں ۴۔ ۶ مرچیں۔ سر کے بال لانبے، موٹے کولہے تک سے نیچے۔

اکثر ناک بند ہو جاتی ہے۔ پانی کی پیاس بالکل نہیں۔ زبان خشک۔ پانی پینے سے ایسا لگتا ہے کہ جسم کے اندر سما گیا ہے۔ یہ مریضہ کا مکمل حال تھا جو اسی کی زبانی اور اس کے شوہر کی زبانی سنا گیا تھا۔ اس مریضہ کو صرف ایک خوراک دوا دی گئی اور وہ ٹھیک ہو گئی۔ زچگی کے وقت بھی کوئی پریشانی نہ آئی۔ اب آپ بتائیں کہ اس کی دوا کیا تھی ؟

مریضہ کے اس مکمل احوال سے پہلے آپ علامتیں تلاش کریں۔

خیر علامتوں کے تلاشنے میں ہم آپ کی مدد کئے دیتے ہیں۔ تو نوٹ کیجئے۔ علامت [۱]: راشن کی دکان میں لائن لگائے ہیں کہ گر پڑے۔ پانی کی لائن میں کھڑے ہیں کہ گر گئے۔ علامت [۲] راشن کی تھیلی لیکر گھر نہیں آ سکتے کہ راستے میں بے ہوش ہو جانا۔ علامت [۳] ذرا، ذرا سے کام سے تھک جانا — علامت چار، زبان خشک پر پیاس ندارد، علامت پانچ کمر کی ہڈی میں درد، چمک، سر کے پچھلے حصہ میں چمک۔ ساتھ میں ایام حمل۔

میں نے کیس کو بہت آسان کر دیا ہے۔ اب آپ کو اس کی دوا جان لینے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

علامتیں کیا ہیں اور مریض کیا ہے؟ اگر آپ اپنی تمام حسوں کو استعمال کر سکتے ہیں تو آپ کو واضح شفائی علامتیں ضرور مل جائیں گی۔ کسی مرض میں ایسی شفائی علامتوں کی پہچان کے لئے طبیب کو عام سے خاص کی طرف اور اجتماع سے منفرد کی طرف بڑھنا چاہیئے۔ یعنی غیر معین سے معین کی طرف۔ اور مرض کا مطالعہ اولاً اس کی عمومی حیثیت میں ہونا چاہیئے۔ یعنی نوع انسانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہ کہ کسی فرد خاص کی صورت میں۔

ہم یہاں اپنے قارئین کو یہ بتا دیں کہ بعض اوقات ہم کافی دقیق زبان کا استعمال کرنے لگتے ہیں۔ اور کبھی عام روزمرہ کی بول چال کی زبان۔ ہماری تصنیف دست شفا کو جب حکومت مہاراشٹر نے بہترین کتاب کے اعزاز سے نوازا تھا تو کچھ لوگوں نے یہی سوال کیا تھا کہ کتاب کی زبان کہیں بہت زیادہ شستہ، کہیں مشکل اور کہیں عام فہم۔

یہاں اس بات کو مزید واضح کر دوں کہ جب ہم ہومیوپیتھی کے فلسفے کی بات کرتے ہیں تو یہی کوشش رہتی ہے کہ زبان زیادہ سے زیادہ دقیق ہو۔ کیونکہ فلسفہ ہر عام شخص کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں اگر میں اسے آسان لفظوں میں بیان کروں تو فلسفہ ہلکا معلوم دیتا ہے۔

بہرکیف جب ہم مریض کے اپنے خیالوں کا اظہار کرتے ہیں تو ان کی ہی زبان میں کرتے ہیں جو آسان اور سیدھی سادی ہوتی ہے۔ لیکن جب فلسفہ بگھارتے

ہیں تو زیادہ سے زیادہ مشکل الفاظ ڈھونڈتے ہیں کیونکہ آسان لفظوں میں فلسفہ کی بات کرنا شیخ چلی کی بانگ نظر آتا ہے۔ فلسفہ اور شیخ چلی کی بانگ میں کچھ زیادہ فرق بھی نہیں کیونکہ سائنس وہ ہے جس کو تجربوں سے ثابت کیا جا سکتا ہے لیکن فلسفے کو ثابت نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ فلسفہ سائنس کی سائنس ہے یعنی سائنس کو سمجھنے والی سائنس۔ دیکھا نہ ہم نے آپکو کیسا الجھا دیا۔ فلسفہ ہے ہی الجھانے والی بات لیکن اگر آپ کو حقیقت تک پہنچنا ہے تب آپ کو فلسفے کے راستے سے ہی جانا ہوگا اور حقیقت کیا ہے ؟

حقیقت خدا ہے اور خدا کو ثابت کرنے کے لئے کسی تجربے کی ضرورت نہیں ڈاکٹر ہانی من کے بتائے ہوئے طریقۂ عمل کے مطابق جب سب ان علامات کا مطالعہ کیا جائے گا جو اس مریض نے بتائی ہیں تو وہ کسی مرض کی ایک مکمل تصویر پیش کریگا ان ٹیسٹوں یا جانچوں سے نہیں۔ یہ ٹیسٹ اور جانچ تو مریضوں کے جیب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان کو شفایاب کرنے کے لئے شاذ و نادر ہی ان سے کوئی مدد ملتی ہے، لیکن بیچارہ مریض ان تمام مراحل کو علاج تصور کرتا ہے۔ نئی نئی جانچ کے طریقے، نئی تکنیکی ایجادات کی بناء پر ہوتے ہیں۔ اور یہ ایجادات زیادہ تر امریکہ میں ہوتی ہیں اسی لئے امریکہ ساری دنیا کی معیشت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ وہ بکیر کے فقیر معالج جو حقیقت سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔ اپنے ملک کی معیشت کو تباہ کرنے کا ایک ذریعہ بن جاتے ہیں۔ کاش ہم اپنے ملک کے عوام کو ان ٹیسٹوں کی حقیقت سے آگاہ کرپاتے ہماری آواز تو بس ایسی ہی ہے جیسے نقار خانے میں طوطی کی آواز۔

فلسفہ اپنے آپ میں مکمل نہیں اور نہ ہی سائنس مکمل ہے ہومیوپیتھی سائنس بھی اپنے آپ میں مکمل نہیں ہے۔ اور ایلوپیتھی وہ تو خیر بچوں کا کھیل ہے۔ اگر کوئی شے اپنے آپ میں مکمل ہے تو وہ ہے حقیقت اور حقیقت کیا ہے ؟ یہ ہم بتا چکے ہیں۔ خدا ئے واحد ہی حقیقت ہے۔ وہی تمام سائنس سے واقف ہے تمام رازوں کا اسے ہی علم ہے۔ وہ ہے تو سب کچھ ہے۔ اسی کی وجہ سے سب کچھ ہے۔ شفائے کامل بھی اسی کے حکم سے ہے۔ اس کے قانون سے نازل ہوتی ہے چلئے ایک اور مریضہ کی بات کریں۔ اس نے خط لکھ کر اپنا علاج جاننا چاہا تھا خط کی عبارت اس طرح تھی۔

گذارش ہے کہ میری عمر اس وقت ۲۵ سال ہے۔ ۱۴ سال کی عمر میں شادی ہوئی اور شادی کو ۱۱ سال ہوئے ہیں۔ شادی کے بعد ۴ مہینے کا حمل تھا۔ اس کی صفائی کروادی۔ اس کے کچھ دن بعد پھر دو مہینے کا حمل رہا اس کی صفائی کرادی اس طرح۔ ۶ — ۷ مرتبہ حمل کی صفائی جو ہوئی اور کئی بار .E.P فورٹ کی گولیاں (حمل ضائع کرنے کے لئے) بھی استعمال کی تھیں۔ اس کے بعد بہت کمزور ہوگئی دو سال پہلے بچہ دانی میں سوجن ہوگئی تھی۔ ڈاکٹری علاج کیا۔ پہلے اچھی ہوگئی تھی لیکن تین چار سال سے مجھ کو سیکس نہیں ہوتا منی نہیں نکلتی۔ شروع شروع میں مجھ کو معلوم نہیں ہوا۔ بعد میں کچھ تکلیف شروع ہوئی۔ سر درد، چہرے پر سوجن۔ دل دھڑکنے لگتا ہے۔ ہاتھوں اور پیروں کے پٹھوں میں کھنچاؤ محسوس ہوتا ہے۔ کام میں سستی اور پیشاب میں جلن۔ اب میری تکلیف اور بڑھتی جارہی ہے کئی مہینے سے ماہواری بہت کم ہوتی ہے۔ صرف ایک دن ہوتی ہے اور پورا جسم

درد کرتا ہے ۔ جسم کی رگ رگ درد کرتی ہے ۔ ایم سی بند ہونے کے بعد سفید پانی آتا ہے ۔ کمر میں بہت درد ہوتا ہے ۔ آدھ گھنٹہ بعد کام کرنے کے بعد اٹھتی ہوں تو کمر سیدھی نہیں ہوتی ۔ تھوڑا سا چلنے پر گھٹنوں میں درد ہوتا ہے ۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا انھوں نے اس بات پر غور نہیں کیا ۔ کہتے ہیں یہ سب بے کار باتیں ہیں ۔ ایسا کچھ نہیں ہے ۔ میں نے اپنی سہیلی سے کہا ۔ اس نے دہلی کے ایک حکیم کا پتہ بتایا ۔ لیکن اُن کے علاج سے فائدہ نہ ہوا ۔ اب میں اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر آپ سے علاج کرانا چاہتی ہوں ۔

میرے شوہر پر گھر کی ذمہ داریاں ہیں اس وجہ سے وہ بچے کی پیدائش کے لئے منع کرتے ہیں ۔

یہاں آپ یہ بتائیں کہ مریض کون ہے وہ یا اس کا شوہر ۔ کاش میں اس کے شوہر کا علاج کر سکتا ۔ کاش وہ اپنے شوہر کو ساتھ لاتی ۔ بہرکیف میں نے اس کے علاج کے لئے اور اس کو نارمل بنانے کے لئے ایک دوا بتائی تھی ۔ اور وہ اس دوا سے ٹھیک بھی ہوگئی اس کو اپنے شوہر کے ساتھ پھر اسی طرح کا لطف آنے لگا ۔

ذرا آپ تو بتایئے کہ دوا کیا تھی ؟

اب ایک ۳۶ سالہ دمے کے مریض کا کیس بیان کروں گا ۔ قریب دو سال تک میں نے اس کا علاج کیا تھا ۔ وہ ایک ہوٹل میں ویٹر کا کام کرتا تھا ۔ بچپن میں اس کے باپ کا انتقال ہوگیا تھا ۔ اس کو ٹی ، بی کی شکایت تھی ۔ بچپن میں اس کا بھی

ٹی ، بی کا علاج کیا گیا تھا ۔ لیکن ٹی بی کے علاج کے بعد اس کو دمہ کا عارضہ ہوگیا وقتاً فوقتاً اس مرض کے شکنجے میں جکڑتا گیا ۔ اور یوں اس طرح جوان ہوگیا لیکن دمہ نے ساتھ نہ چھوڑا ۔

اسے بچپن میں چھوٹی چیچک ہوئی تھی ۔ اسی کے بعد سے چھینکیں اور ناک سے پانی جانے کی شکایت ہوگئی ۔ جب کسی طرح یہ الرجی ٹھیک نہ ہوئی تو ڈاکٹروں نے ٹی ، بی کی تشخیص کی اور ٹی ، بی کا کورس دیا گیا ۔ جس کے بعد ناک سے پانی بہنا کم ہوگیا لیکن دمہ شروع ہوگیا ۔ دراصل یہ دمہ جدید علاج کا کارنامہ تھا ۔ اس سے بہتر تو وہ پرانا حکیم تھا جو نزلے کو روکتا نہ تھا ۔ وہ جانتا تھا کہ نزلے کا روکنا زیادہ بڑی خرابی کا باعث بنتا ہے ۔ لیکن آج کل کے اکثر جدید معالجوں کو نزلے تک کی سمجھ نہیں ہے ۔ ان کا نزلہ تو بس ہومیو پیتھی پر اُترتا ہے ۔ کچھ ڈاکٹروں کو تو ہومیوپیتھی کے نام سے ہی الرجی ہے ۔ اس پر غور کرنا تو درکنار اس کا نام تک سننا گوارا نہیں کرتے

ہاں تو ہمارے اس مریض کو ہر پیر کی صبح استھما Asthma کی شکایت یعنی دمہ ہوجاتا تھا ۔ اس کی وجہ بھی وہ جانتا تھا ۔ ہر اتوار کو وہ چاول کھاتا تھا جس کے بعد پیر کی صبح صبح دم کشی کے دورے پڑتے تھے ۔ سخت قسم کا دمہ ہوتا تھا ۔ اس کو پیاس قطعی نہ تھی ۔ لیکن پانی پیتا بہت تھا ۔ سردی اور گرمی دونوں موسموں سے زودحس تھا ۔ نہ سردی برداشت نہ گرمی برداشت ۔

البتہ کھلی ہوا میں اس کو سکون ملتا تھا ۔ وہ بہت زیادہ باتونی تھا ۔ کمزور اعصاب کا ۔ لیکن بعض اوقات بہت زیادہ جوش میں آجاتا تھا ۔ اس مریض کو پہلی دوا جو دی گئی وہ پلسیٹلا ۔ بعد میں ویسرلولائٹیم ۔ اس کے بعد کلکریا کارب

پھر کبیس تھوجا میں آیا۔ اس کے بعد نیٹرم سلف۔ اس طرح کل عرصہ دو سال۔ اسے مزید واضح کردوں۔ ورنہ اکثر و بیشتر قارئین دمہ کے مریضوں کے لئے بس یہی ساری دوائیں یکے بعد دیگرے استعمال کرنے لگ جائیں گے۔

پلسیٹلا اس وجہ سے دی گئی کہ سارا فساد نزلہ رکنے کی وجہ سے شروع ہوا

ویریولائی نم اس وجہ سے کہ نزلہ چیچک کے بعد شروع ہوا۔ کلکیریا اس کی مزاجی دوا تھی۔ بچپن میں وہ کلکیریا کی طرح گول مٹول تھا اور شرارتی۔ کلکریا نے اس کو ٹی۔بی کے شکنجے سے نکالا۔

تھوجا اس وجہ سے کہ ٹی۔بی اس کو ورثے میں ملی تھی۔ کلکریا نے ٹی۔ بی درست کی اور تھوجا نے اس زمین کو ناہموار بنایا۔ جس میں دمے کا شجر اُگ آیا تھا۔ نیٹرم سلف نے اس کے سرد و تر تاثیر کو ختم کیا۔ کیونکہ اس کو چاول کھانے کے بعد دمہ ہوتا تھا۔ اور چاولوں میں پکنے کے بعد تری ہوتی ہے۔ چاول پانی کو جذب کرنے کی خاصیت رکھتا ہے۔

دیکھا آپ نے ہومیوپیتھی کتنی مشکل ہے۔ مگر آسان بھی ہے۔ جو اس میں ڈوب گیا ہے اس کے لئے بہت آسان ہے۔ اور جو اس کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کے لئے بہت مشکل ہے۔

اب ذرا اس فنکار کی دوا سوچئے۔ یوں تو اس کو بہت ساری تنکالیف تھیں۔ یکے بعد دیگرے وہ جاتی رہیں۔ وہ اپنے کام کاج میں مصروف ہوگیا وہ ایک آرٹسٹ تھا فنکار تھا۔ اپنے آپ سے اس کا اعتماد ختم ہوگیا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر رو دیتا تھا۔ کسی کام میں اس کا من نہ لگتا تھا۔ اس کی جو روزی تھی اس میں

بھی من نہ لگتا تھا۔ نیند نہ آتی تھی۔ بھوک نہ لگتی تھی۔ قبض کی شکایت رہتی تھی۔ اس کی سوچ میں خلل پڑ گیا تھا۔ ایک فنکار جو انتہائی جذباتی ہوتا ہے۔ ان ہی جذبات کی وجہ سے بیمار پڑتا ہے۔ اس کو بیمار کرنے کے لئے چھوٹی چھوٹی باتیں بھی کافی ہوتی ہوتی ہیں۔ اس نے لکھا کہ پہلے کے مقابلے میں الحمدللہ اب تھوڑا اعتماد بحال ہو رہا ہے۔ لیکن پرانی چیزوں کو جمع کرنے کا جنون انتہا تک پہنچا ہوا ہے۔ طبیعت اب بھی گھبراتی ہے۔ اور اب بھی ایک عجیب سا ڈر لگا رہتا ہے۔ پاخانہ ابھی بھی نہیں ہوتا۔ براہ کرم ان امور پر توجہ فرمایئے۔ اور کوئی ایسی دوا دیجئے کہ میری بیماری فوری طور پر دور ہو جائے کیونکہ ایک سال ہونے کو آ گیا اور میں ابھی تک پوری طرح اچھا نہ ہوا۔

میں اخبار کو بیچ نہیں سکتا اس ڈر سے کہ اس میں جو انفارمیشن ہے وہ کہیں اور چلی جائے گی۔ اسی طرح ہر پرانی چیز سے مجھے بے انتہا پیار ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ میرا گھر کباڑ خانہ بن گیا ہے۔ براہ کرم اس مسئلے پر خاص توجہ دیجئے۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ مریض کا یہ اظہار کہ وہ اخبار کو بیچ نہیں سکتا۔ ایک مضحکہ خیز بات ہوگی۔ لیکن ایک ہومیوپیتھ کے لئے ایک سنجیدہ بات بھی۔ ایک ایلوپیتھ ڈاکٹر کے لئے یہ ضرور مضحکہ خیز بات ہوگی۔ اسی جملے سے آپ مریض کو صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

مریض ہی تو وہ پہلا شخص ہے کہ جو اپنی بیماری کی حالت میں ہر تبدیلی کا مطالعہ یا کیفیاتی تغیر کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جب وہ یہ کہتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب میں کچھ باتیں بھولنے لگا ہوں۔ مجھے تاریخ یاد نہیں رہتی۔ میں لوگوں کے نام

یاد نہیں رکھ پاتا۔ ذہن پہلے کی طرح کام نہیں کرتا۔ جی کسی کام میں نہیں لگتا۔ جب وہ کوئی بات کہنا چاہتا ہے تو جملہ پورا ادا نہیں کر پاتا۔ ذہن چڑچڑا ہو گیا بات بےبات بھڑک اٹھتا ہوں۔ بعد میں افسوس کرتا ہوں۔ اس کے محبت اور نفرت کے جذبات میں تبدیلی آگئی ہے۔ اس کی خواہشات اب پہلے کی طرح نہیں رہیں وغیرہ۔

اب آپ کہیں گے کہ یہ کوئی بات نہیں عمر ڈھلنے کے ساتھ ایسا ہوتا ہے یا پریشانیوں کی حالت میں ایسا ہوتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے پریشانی کی حالت میں یا عمر ایک سبب ہوتا ہے۔ لیکن یہ وہ موڑ ہیں جو مختلف حالتوں کا پتہ دیتے ہیں اور کیفیات سے متعلق ہوتے ہیں نہ کہ خلیاتی خرابیوں سے بلکہ بگاڑ کی حالت یا فساد کی کیفیت سے ہوتے ہیں۔ ہم یہاں اس پرانے حکیم سے سو فیصد متفق ہیں کہ جو بیماریوں کو ان کے اسباب کی روشنی میں خلط کے فساد اور عدم یکجہتی اور ہم آہنگی میں دیکھتا تھا۔ ہر عضو دوسرے سے تال میل رکھے ہوئے ہے، اور یہی صحت کی حالت ہے۔ جہاں یہ ہم آہنگی بگڑی وہ شخص مریض بن گیا۔ لہٰذا اس کے احساسات ہی اصل بیماری کی علامتیں ہیں۔

لیکن ایک ایلوپیتھ معالج کے لئے احساسات اس وقت تک کہ جب تک کوئی خلیاتی تبدیلی رونما نہیں ہوتی بے معنی ہوتے ہیں۔ اس بناء پر وہ اپنے مریض کو کسی سائیکا ٹرسٹ کے پاس بھیج دیتا ہے کہ وہ اس کا وہم دور کرے بہر ہوتا یہ ہے کہ اس بیمار کو اس کی دوا نہیں ملتی۔ الٹا اس کے اس اظہار کو وہ نفسیاتی معالج الٹی دواؤں کے ذریعہ ختم کر دیگا۔ اور پھر دو تین سالوں بعد وہی مریض جب آپ کے پاس طبی معائنے کے لئے آئے گا تو آپ دیکھیں گے کہ اب اس کے

پھیپھڑے میں داغ بن گیا ہے یا جگر میں پھوڑا۔ اب ایلوپیتھی کا معالج اس ٹوٹ پھوٹ کے اعتبار سے بیماری کا نام دے گا۔ اب یا تو یہ پھیپھڑے کے ماہر سے اپنا علاج کرائے گا یا جگر کے۔ جبکہ یہی مریض ان امراض کے پیدا ہونے سے پہلے آپ کے پاس آیا تھا۔ حالانکہ آج سے قبل جب وہ آیا تھا۔ تب وہ بیماری کی شروعات تھی۔ صرف کیفیاتی تبدیلی ہوئی تھی کوئی خلیاتی یا عضوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی نہ خرابی ہوئی تھی کیا اس کی دوا اب مختلف ہو گئی۔

یاد رکھئے خلیاتی تبدیلیاں دوا کی طرف ہرگز رہنمائی نہیں کرتیں ہم لوگ معالج ہونے کی حیثیت سے پہلے ان علامات کا مطالعہ کرنا سیکھیں، جن کا وجود ان عواقب یعنی عضوی یا خلیاتی تخریب سے پہلے موجود تھا۔ یہ بڑے اور قیمتی ٹسٹ اس مریض کو بھکاری بنا دیتے ہیں اور مشینیں ہماری معیشت کو تباہ کر دیتی ہیں۔ آج جدید علاج معالجہ اسی بنا پر اس قدر مہنگا ہو گیا ہے۔

یاد رکھئے کہ ایک بیمار کو اسی دوا کی ضرورت ہوتی ہے جو اُسے بچپن یا جوانی میں ملنی چاہیئے تھی۔ اعضاتی ٹوٹ پھوٹ بیماری نہیں بلکہ اسی سادہ و تبدیل شدہ حالت کی ترقی یافتہ صورت ہے جسے آپ نے اس کے اظہار کو اس کے وہم سے تعبیر کیا تھا۔

ڈاکٹر ہانی مین اپنی کتاب آرگینن آف میڈیسین کے حاشیئے میں فرماتے ہیں ۔" یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ان معالجین کے لئے ایسا کیونکر ممکن تھا کہ وہ علامات کی طرف توجہ کئے بغیر صرف مریض کے قریب بیٹھ کر بیمار کی، اندرونی مرضیاتی حالت کا جائزہ لے کر اس امر کا فیصلہ کر لیا کرتے تھے کہ انھیں

کس شے کا علاج کرنا ہے وغیرہ۔

آج کل کا فارغ التحصیل معالج بھی بیمار سے یہی کہتا ہے کہ مجھے تمہاری ان علامات سے کچھ سروکار نہیں اور نہ اس سے کچھ بحث ہے کہ تم کو نیند کیوں نہیں آتی اس کے لئے تو میں سلیپنگ پلز دے دوں گا۔ لیکن تمہارے جگر میں ورم ہے اور بس یہی تمہارے سارے مسائل کی وجہ ہے۔ وہ اتنا اور کرتا ہے کہ آپ کو کلر ویڈیو میں آپ کا سوجا ہوا جگر دکھا دیتا ہے۔ یا اس کی کیسٹ مریض کے حوالے کر دیتا ہے۔

آپ سمجھتے ہیں کہ یہ جدید علاج معالجہ کی ترقی ہے۔ لیکن میرے دوستو یہ ترقی کچھ نہیں۔ یہ محض ایک دھوکا ہے۔ مریض سے پیسے اینٹھنے کا ہتھکنڈا۔ یہ جو ترقی ہے تکنکی ترقی ہے۔ جو جدید علاج کے طریق کار میں شامل ہو چکی ہے۔ ان رنگین دھوکوں میں نہ آیئے ایسے طریقوں سے کبھی بھی کوئی مرض ٹھیک نہیں ہو سکتا۔

کسی مرض کی شفایابی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس نے ایک قانون کے ذریعہ اس کو پہلے ہی تعین کر دیا ہے۔ ڈاکٹر ہانی من کے زمانے میں طب کے نام پہ اتنی دھوکا دھڑی نہیں تھی ورنہ انھوں نے اور نہ جانے کیا کیا لکھا ہوتا۔

بے چارہ آج کا پڑھا لکھا معالج، مریض کے بڑھے ہوئے جگر کو دیکھ کر یہ سمجھتا ہے کہ ساری مصیبت اور بیماری کا سبب یہی ہے اور اس کو درست کر دینے سے وہ بیمار کو اچھا کر دیگا۔ کس قدر پُر فریب ہے یہ گمان۔ اس کی توجہ محض نظریے پر ہے اس لئے کہ جب اکثر و بیشتر اس کے بعد بھی وہ نہیں جان سکتے ہیں کہ بیمار کی موت کس وجہ سے ہوئی تو پھر وہ لاش کا پوسٹ مارٹم کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔

کاش یہ معالج اپنے دماغ اور اپنی قابلیت کا پوسٹ مارٹم کرتے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو وہ جانتے ہیں وہی حقیقت ہے۔ بے چارے۔ کنوئیں کے مینڈک ان کے لئے یہ بہتر ہے کہ وہ اس گمراہ راستے کو چھوڑ کر اس طرف چلے آئیں اور ڈاکٹر ہانی من کے بتائے ہوئے روشن راستے سے کامیابی اور کامرانیوں کی منزل تک پہنچیں۔

یاد رہے کہ کسی دوا میں یہ طاقت نہیں کہ وہ کسی مرض کو ٹھیک کر سکے۔ ہومیوپیتھی دوا مریض کی قوت حیات کو سہارا دیتی ہے۔ اور بیمار قوت حیات اس کا سہارا پا کر اپنی خرابیوں کو دور کر لیتی ہے۔ چاہے وہ بڑھا ہوا جگر ہو یا ضعف گردہ ہو۔

چلئے اب ہم ایسے بچے کا کیس بیان کرتے ہیں جس کی عمر ۸ سال تھی اور وہ کھانسی کا مریض تھا۔ بڑی ہی پریشان کن کھانسی، اس کی پیدائش کے کچھ مہینوں بعد سے ہوئی تھی۔ ان آٹھ برسوں کے دوران ہر طرح کا علاج ہوتا رہا۔ لیکن اس کی کھانسی ٹھیک نہ ہوئی۔ ننھا سا معصوم بچہ اس کھانسی کے ساتھ سمجھوتہ کر کے زندہ رہنا سیکھ گیا تھا۔ لیکن دیکھنے والوں کو اس کی کھانسی سے تکلیف ہوتی تھی۔ کھانسی دورے کی شکل میں آتی تھی۔

ہر روز اس کی کھانسی رات میں شدت اختیار کر لیتی تھی۔ کھانستے وقت گلے سے ایسی آواز آتی تھی گویا بھری ہوئی پانی کی بوتل کو خالی کیا جائے۔ غٹ غٹ کرتی آواز کے ساتھ وہ بے حال ہو جاتا تھا۔ اس کی سانسیں رک جاتی تھیں گلے کی نسیں تن جاتی تھیں۔ پیٹ میں درد ہونے لگتا تھا۔ وہ بچہ بڑا ہی برداشت

کرنے والا بچہ تھا۔ شرمیلا سا خاموش۔ اس جان لیوا کھانسی کو اس نے اپنی زندگی کا ایک حصّہ سمجھ لیا تھا۔ یہ بچہ صرف ایک خوراک دوا سے ٹھیک ہوگیا۔

میں یہ کیوں بتادوں کہ جو کھانسی ۸ سال سے ٹھیک نہ ہوئی وہ کسی دوا کی محض ایک خوراک سے ٹھیک ہوجائے گی۔ میاں ہومیوپیتھی کو سیکھنے اور سمجھنے کے لئے ایک عمر چاہئیے۔ پہلے آپ یہ تو سیکھ لیجئے کہ بھری ہوئی پانی کی بوتل کو جب اُلٹ کر کے خالی کیا جائے تو کس طرح کی آواز ہوتی ہے۔

ہومیوپیتھی تو میں ضرور سیکھنا چاہتا ہوں۔ باقاعدہ کلاسیں لے کر سیکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن اس سیکھنے کے لئے پہلے آپ اپنے آپ کو تیار کرلیں۔ کھانسی کے لئے ایک سو سے بھی زیادہ دوائیں ہیں، اور کھانسی کس قدر عام علامت ہے۔ لیکن اگر میں دوا کا نام بتادوں تو اکثر ہر کھانسی کے مریض کے لئے اس دوا کا استعمال کرنے بیٹھ جائیں گے۔

ہومیوپیتھی ایک فن ہے اور اس کو سیکھنے کے لئے آپ کو ایسی ہی شاگردی اختیار کرنا ہوگی جیسا کہ ایک موسیقی سکھانے والا استاد اپنا شاگرد چنتا ہے۔ ایک پہلوانی سکھانے والا خلیفہ یا ایک موٹر مکینک، کوئی بھی فن محض کتابوں کے پڑھ لینے سے نہیں آجاتا۔ نہ ہی کسی امتحان کے پاس کرنے سے آتا ہے۔

اب ہم ایک پانچ سالہ بچے کے کیس پر غور کریں۔ اس کو ایک بار اچانک بخار آگیا۔ اور بخار کے ساتھ فٹ آگئے۔ بخار تو خیر ٹھیک ہوگیا، لیکن اس کے رویّے میں نمایاں تبدیلی واقع ہوگئی۔ اس بات کو سب سے پہلے اس کی ماں نے محسوس کیا کہ اس کا لختِ جگر پہلے جیسا نہیں ہے۔ کیونکہ اب وہ گالیاں بکتا تھا، سامان

سامان اُٹھا کر پھینک دیتا ہے۔ بھاگتا دوڑتا تو بے تحاشا، سامنے نالی ہے یا پتھر، اس کی پروا نہ کرتا۔ اس وجہ سے اکثر گر پڑتا۔ دوڑتے بھاگتے، کھیلتے ہوئے بچوں کو مار دیتا۔ بلا وجہ چھوٹے بچوں کو مارتا۔ غرض یہ کہ اس نے اپنی ماں کے لئے بڑے مسائل کھڑے کر دیئے تھے۔ ہر کوئی اس کی شکایت لے کر آتا۔ وہ بلا کا شیطان ہوگیا تھا۔ خود اپنے لئے پریشانی کا باعث اور اپنی ماں کے لئے مصیبت۔

پہلے اس کا علاج دماغ کے ڈاکٹروں نے کیا۔ دماغ کے ڈاکٹروں کے مطابق اس کے دماغ میں خلل ہوگیا تھا۔ اور اس کے کئی طرح کے ٹسٹ کرائے جا رہے تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ یہ بچہ ایب نارمل ہے۔ اس لئے اس کو نارمل بچوں کے اسکول میں داخلہ نہ دیا جائے۔

انھوں نے اس کی ماں کو طرح طرح سے ڈرا دیا تھا۔ وہ یہ سمجھنے لگی تھی کہ اس کا بچہ پاگل ہوگیا ہے۔ بے چارے یہ دماغ کے ڈاکٹر۔ ان کی یہ تشخیص۔ اکثر یہ سوچتا ہوں کہ پہلے ان کے دماغ کا علاج کر دوں۔

یہ بچہ حد سے زیادہ شرارتی ہوچکا تھا۔ ہر کسی کی چھیڑخانی کرتا، ہر کسی کو مارتا ان کی شیطانی کرتا۔ اپنا سبق یاد نہ کر پاتا۔ بات بات بھول جاتا۔ اس سے نرمی و محبت سے پیش آیا جاتا تب بھی وہ ہاتھ اُٹھا دیتا۔ گویا کہ وہ کچھ سمجھتا ہی نہ تھا۔ بس ایک بات سمجھتا کہ شیطانی کیسے کرنا ہے۔ اس کی ماں بالکل مایوس و اُداس ہوچکی تھی۔ اسی یاس و مایوسی کے عالم میں وہ اپنے اس بچے کی حد سے زیادہ پٹائی کر دیتی تھی۔ مگر سب بے سود۔

وہ جو تھا وہی بنا ہوا تھا۔ وہ بہت باتونی تھا۔ بہت ہمت ور۔ رات کو جب بستر میں سوتا تھا تو اس کے دونوں پیر دکھتے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ سارا دن اس قدر شرارتیں کرتا تھا کہ خدا کی پناہ۔

ایک روز اسکول میں اس کی استانی کلاس لے رہی تھی، وہ بچوں کو پڑھا رہی تھی۔ بلیک بورڈ میں اس نے کچھ لکھا تھا۔ ہمارے اس ہیرو کو کیا سوجھی کہ ڈیسک کے نیچے سے ہنستا ہوا بلیک بورڈ کے پاس گیا اور لکھا ہوا سب کچھ ڈسٹر سے مٹا دیا۔

پھر کیا تھا، اُستانی آگ بگولہ ہو گئی اور معصوم بچے کو اس قدر مارا کہ خدا کی پناہ۔ ماں نے یہ غم بھی سہہ لیا۔ وہ کیا کرتی۔ اس طرح کی شیطانی اس کا روز مرّہ کا معمول تھا۔

جب میں نے اس بچے کو دیکھا اس کا کیس لیا اور سارے واقعات سے آگاہ ہوا تو سوچا کہ پہلے اس ماسٹرنی کا علاج کروں جس نے اس بچہ کو بے تحاشہ مارا تھا۔ مجھے اس ننھے سے بچے سے کہیں زیادہ بیمار وہ ماسٹرنی لگی۔

ایسی نالائق و نامعقول استانیوں کی کمی نہیں ہے جو ایسے ننھے و معصوم بچّوں کو محض اس بناء پر پیٹ دیتی ہیں کہ خود ان کے گھریلو ٹینشن ان کی پڑھانے کی اہلیت سے زیادہ ہوتے ہیں۔ ان بیمار استانیوں کا علاج بھی ضروری ہے۔ ورنہ ہماری نئی نسل اتنا سیکھ پائے گی کہ قرض کس طرح لینا ہے۔ محنت و مشقت کے بعد بھی یہ قرض ادا نہیں کیا جا سکتا جو سروں پر لادا جا چکا ہے۔

آج ہر شخص بیمار ہے کوئی اپنا غصّہ ننھے سے بچے پر اُتارتا ہے اور کوئی اپنے

آپ کو ختم کر لیتا ہے۔ بھاگ جاتا ہے۔ اس کو اس سچائی کا سامنا کرنا۔ ۔ ۔ ۔ مُرجانے سے کہیں مشکل نظر آتا ہے۔

اس بچے کو جو دوا دی گئی وہ تھی اینا کارڈیم طاقت ۳۰ میں روزانہ ایک خوراک اس دوا نے اس بچے کے اُلٹے ذہن کو درست کر دیا اور اس کی ماں کی راتوں کی نیند بحال کر دی۔

ہم نے بارہا اپنے ایلوپیتھک دوستوں سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ انھوں نے بھی اس ہومیوپیتھی کو آزمایا مگر وہ فیل ہوئی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہومیوپیتھی فیل نہیں ہوئی وہ فیل ہوئے۔ ہومیوپیتھی اتنی آسان نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ابھی جس بچے کے کیس کا تذکرہ کیا ہر شیطان بچے کو یہی دوا دینی چاہیئے۔ جی نہیں ایسا نہیں ہے۔ اگر اس دوا کی روح سے آف واقف ہیں۔ تب یہ جان جائیں گے کہ ہم نے اس کے لئے اس کا انتخاب کیوں کیا۔

جناب عالی جس بات پر اس کی استانی نے اُسے بے تحاشہ مارا دراصل اس کیس کی وہی اہم اور مجرب علامت ہے۔ ذرا غور کیجیئے کہ کیا ایسا کوئی بچہ آپ کی نظروں سے گذرا ہے کہ جو استانی کی موجودگی میں ایسی حرکت کر سکتا ہے۔ وہ بھلے ہی کتنا شیطان کیوں نہ ہو۔ وہ ایسا نہیں کریگا۔ ہومیوپیتھی اتنی آسانی سے سمجھ میں نہیں آجائے گی۔ اس پورے کیس کو سمجھنے کے لئے اس دوا کا کسی اچھے میٹریا میڈیکا سے مطالعہ کریں۔

اب آخر میں ایک کیس کا بیان اور کئے دیتا ہوں اور اس سلسلے کو ختم کرتا ہوں میری ناکامیوں اور ہومیوپیتھی کی کامیابیوں کی آخری قسط۔ اکثر لوگوں سے یہ کہتے ہوئے

سُنا ہے کہ کیا ہومیوپیتھی میں سرجری ہوتی ہے؟ کیا ہومیوپیتھی سرجری کا بدل ہو سکتی ہے۔ سرجری ایک تکنیکی سائنس ہے۔ کسی ترکیب سے بیماری کا روڑہ نکال دینا۔ ہومیوپیتھی سرجری کے خلاف نہیں لیکن بلا وجہ کی سرجری کی تائید بھی نہیں کرتی۔ بعض اوقات جو سرجری نہیں کر سکتی وہ ہومیوپیتھی کر دکھاتی ہے۔ کون سا مریض کس طرح اور کیسے اچھا ہو جاتا ہے کہا نہیں جا سکتا۔

وہ ایک بوجھ اُٹھانے والا مزدور تھا۔ قریب پچاس سال کی عمر تھی اس کے دل کا ایک والو ڈھیلا ہو گیا تھا جس کے لئے آپریشن ضروری تھا۔ اوپن ہارٹ سرجری۔ بہت مہنگی سرجری تھی۔ سرجن اپنی فیس نہ بھی لیتا۔ تب بھی ۳۰، ۴۰ ہزار کا خرچ تھا۔ اب ایک والو ہی ۱۰، ۱۵ ہزار روپے میں آتا ہے۔ حالانکہ ہوتا تو وہ پلاسٹک کا ہے۔

بہرکیف اتنے زیادہ پیسے اکٹھا کرنا اس کے لئے ممکن ہی نہ تھا۔ کچھ کارِ خیر کرنے والے اداروں نے اس کے لئے پیسے جمع کئے اس کے باوجود اس کے لئے اتنی بڑی رقم جمع نہ ہو سکی۔ آخر وہ مایوس ہو گیا۔ کہاں وہ بوجھ اُٹھایا کرتا تھا اور کہاں دو قدم چلنا مشکل تھا۔ اس کی سانسیں اکھڑ جاتی تھیں۔ دل دھڑکنے لگتا تھا وہ کچھ کام بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ایک شاعر نے جب اس کا احوال سنا تو اس پر ترس آ گیا۔ جانے کیسے اس کے ذہن میں ہمارا نام یاد آ گیا اور اس نے اس کو ہمارے پاس بھیج دیا۔

دل کی بیماریاں عموماً ان لوگوں کو ہوتی ہیں جو دادِ عیش دیتے ہیں یا راگ رنگ میں مست رہتے ہیں یا ان کو ہوتی ہیں جو بیٹھے بیٹھے ہی کھاتے رہتے ہیں۔

ان کو دوسرا کوئی کام نہیں ہوتا۔ غریب آدمی کو ایسی صورت میں دل کے امراض ہو سکتے ہیں کہ جب اس کی وجہ گٹھیا بخار ہو۔ اس محنت کش شخص کے کیس میں جوڑوں میں درد کے ساتھ بخار کی کوئی ہسٹری نہ تھی اور نہ ہی کوئی ظاہری سبب تھا۔ نہ کبھی اسے گرمی کی بیماری ہوئی تھی۔ وہ سیدھا سادہ مزدور تھا۔ بڑے سے بڑا بوجھ اُٹھا لیتا تھا۔ لیکن اب اپنا بوجھ اُٹھانے سے قاصر تھا۔ زیادہ دیر تک بات کرنے سے بھی اس کا دم پھولتا تھا۔ ذرا سا کام کرنے سے، چلنے سے کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ دم گھٹتا تھا۔ کلیجے کی نسیں تن جاتی تھیں۔ . . . ڈاکٹروں نے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر اس کا والو بدلی نہ کیا گیا تو اس کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کبھی بھی اس کا چراغ گل ہو سکتا ہے۔

کسی بھی طرح کی دواؤں سے اس کو فائدہ نہ ہوتا تھا۔ دوا اس کا علاج ہی نہ تھی اب ہومیوپیتھی اس مریض کے لئے کیا کر سکتی تھی۔ کافی دیر تک میں اس کی زندگی سے متعلق، اس کے روزمرہ سے متعلق اس کے کام سے متعلق سوالات کرتا رہا۔ وہ ایک مل میں کپڑے کا بھیم اُٹھانے کا کام کرتا تھا۔ بڑے سے بڑا وزنی بھیم منٹوں میں اٹھا کر پھینک دیتا تھا۔ لیکن اب وہ بھیم ہلا بھی نہیں سکتا تھا۔

کافی دیر باتوں کے دوران اس نے کام کی بات بتائی۔ ایک بار سو کلو وزنی ایک پانی کی ٹنکی کچھ لوگ مل کر اٹھا رہے تھے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کیلئے اس نے بھی مدد کی ٹانکی گول تھی۔ کسی آدمی سے سنبھل نہیں رہی تھی۔ ہاتھوں سے پھسل گئی اور سارا کا سارا وزن اس پر آ پڑا۔ اس نے اپنی ساری طاقت صرف کر کے اس ٹانکی کو سنبھالا اور سنبھالتے ہوئے اس کے ساتھ گر گیا۔ اگر وہ اسے نہ سنبھالتا تو ٹانکی کے نیچے دب جاتا۔

بس میرے لئے اس سے سراغ مل گیا۔ میں نے کہا نہ کہ ایک ہومیو پیتھ جاسوسی کرتا ہے چور کو پکڑنے کے لئے۔ بیماری کب اور کیسے داخل ہوجائے۔ پتہ نہیں چلتا پتہ اس وقت چلتا ہے۔ جب اس کے اثرات رونما ہوتے ہیں۔

حد سے زیادہ وزن اٹھاتے اور سنبھلتے ہوئے اس نے اپنے وجود کی تمام تر طاقت صرف کردی تھی۔ اور اس دوران خون کے ازحد دباؤ کی وجہ سے دل کا ایک والو ہل گیا تھا۔ اس وقت اس کو کچھ پتہ نہیں چلا۔ لیکن دھیرے دھیرے اس ہلے ہوئے والو نے اس کو بیمار کر دیا۔

یہاں علامتیں کچھ نہیں ہیں لیکن سمجھنے کے لئے بہت کچھ ہے۔

Arnica آرنیکا ایک ہزار طاقت کی ایک خوراک سے یہ شخص بالکل ہی شفایاب ہوگیا۔ کئی مہینوں تک وہ میرے پاس آتا رہا۔ لیکن اس کے بعد دوبارہ اسے دوا کی ضرورت نہ پڑی۔ رفتہ رفتہ تندرست ہوگیا۔

آرنیکا کتنی اہم دوا ہے اس کا اندازہ آپ اس کیس سے ضرور لگا سکتے ہیں لیکن اہم بات یہی ہے کہ آخر میں نے اُسے آرنیکا کیوں دی؟

تو جناب آپ آرنیکا کے بارے میں تفصیل سے پڑھئے۔ آپ کو اس دوا کی خصوصیات کا اندازہ اس کے بعد ہی ہوگا!
